اکابر دیوبند، بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ
کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

مجلّہ صفدر گجرات

ترتیب

برائے ترسیلِ زر، اجراءِ رسالہ وخط وکتابت
مولانا احسن خدامی صاحب، مکان نمبر 4، گلی نمبر 82
محمود سٹریٹ، محلّہ سردار پورہ، اچھرہ، لاہور

فی شمارہ: 25......زر سالانہ: 300 روپے

پیامِ صفدر

حمزہ احسانی

حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانی مدظلہم کا جوابی مکتوب
اور......ایک وضاحت

مجلّہ ''صفدر'' کا گزشتہ شمارہ طباعت کے لیے بھجا جاچکا تھا کہ دارالعلوم کراچی کے صدر حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم کا جوابی مکتوب موصول ہوا۔ بعینہ درج کیا جاتا ہے، قارئین ملاحظہ فرمائیں!

عزیز محترم سرفراز حسن خان حمزہ صاحب۔ حفظہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا آخری خط جس پر یکم مئی ۲۰۱۳ء درج ہے، کئی اوراق کے ساتھ میرے کاغذات میں رکھا ہوا ہے، اتنا وقت نکالنا خصوصاً اپنی صحت کی وجہ سے آسان نہیں تھا کہ ان سب کاغذات کو دیکھتا۔ اس لیے جواب میں تاخیر ہوئی۔

آج بھی منسلکہ کاغذات کو تفصیل سے تو نہیں پڑھ سکا، لیکن جتنا پڑھا اُس سے یہ اندازہ ہوا کہ آپ نے پریشانی میری مندرجہ ذیل عبارت کی وجہ سے محسوس کی ہے، وہ تحریر بعینہ نقل کرتا ہوں۔

> ''یہ تھا وہ پس منظر جس کے تحت ناچیز امام اہل سنت شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ سے ملاقات کرنے اور رہنمائی حاصل کرنے کے لئے گکھڑ منڈی حاضر ہوا تھا۔ حضرت نے بہت شفقت فرمائی اور جس مقصد کے لئے حاضر ہوا تھا اس پر مسرت کا بھی اظہار فرمایا اور اس کی تائید فرمائی۔''

میرے الفاظ ''جس مقصد کے لیے حاضر ہوا تھا اس پر مسرت کا بھی اظہار فرمایا، اور اس کی تائید فرمائی'' کا مطلب میرے نزدیک یہ تھا اور ہے کہ اتحاد کی کوشش کے سلسلے میں حضرتؒ نے میری تائید فرمائی، یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ پوری سرگذشت جو میں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بیان کی تھی اُس سرگذشت میں بیان کردہ باتوں کی تائید فرمائی، بلکہ اتحاد کی کوشش اور جذبہ کی تائید فرمائی۔

میرے نزدیک آپ کی پریشانی کا سبب میری اس وضاحت سے ختم ہوجانا چاہیے، اس سلسلے میں مزید خط وکتابت سے معذرت خواہ ہوں۔ والسلام......محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

رئیس الجامعہ دارالعلوم کراچی......۴ رمضان ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۴/جولائی ۲۰۱۳ء

اس مکتوب میں حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے یہ وضاحت تو فرمادی کہ ان کے فرمان ''ان

ملاقاتوں سے میں اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ عقائد کے باب میں دونوں مکاتبِ فکر کا اختلاف بڑی حد تک صرف تعبیر اور الفاظ کا اختلاف ہے، حقیقت میں ایسا کوئی اختلاف عقائد کے باب میں نہیں ہے جس کی بنا پر ایک دوسرے کو گمراہ یا فاسق قرار دیا جائے'' کی حضرت امام اہل سنت نے تائید نہیں فرمائی، بلکہ مطلق اتحاد کی حمایت فرمائی تھی، اور اس اتحاد کے لیے حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کی کیا شرائط تھیں؟ وہ قارئینِ صفدر گزشتہ شمارے میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ یہاں صرف اتنی وضاحت مقصود ہے کہ یہ بات اب صاف ہوگئی کہ ''فریقین کے مابین عقائد کے باب میں عدم اختلاف'' کا قول حضرت مفتی صاحب مدظلہم کی ذاتی اور انفرادی رائے ہے، جسے اُن کا تفرد کہا جاسکتا ہے، علماء دیوبند کا یہ نظریہ اور موقف نہیں، جیسا کہ اسی شمارے میں شامل دارالعلوم دیوبند کے فتویٰ سے ظاہر ہے۔ یہ فتویٰ شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کی ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' سے نقل کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ دارالعلوم دیوبند کے تازہ فتاویٰ جو بندہ نے دارالعلوم دیوبند کی ویب سائٹ سے نقل کیے، ملاحظہ فرمائیں:

۱......فتویٰ: L=1/1434/1092-1716 Question: 42267

26 نومبر 2012ء

''**سوال:** کیا بریلوی بدعتی ہیں؟ اگر بدعتی ہیں تو کس وجہ سے؟ ان کا کیا عقیدہ ہے؟

جواب: جی ہاں! بریلوی بدعتی ہیں، انھوں نے بہت سی چیزیں دین میں ایسی پیدا کردی ہیں جن کا وجود خیر القرون میں نہیں تھا، مثلاً: میلاد کرانا، قبر پر اذان دینا، عرس کرنا، جنازہ کی نماز کے بعد دعا کرنا، نذر و نیاز کرنا، تیجہ چالیسواں اور گیارہویں شریف منانا، غیر اللہ کو پکارنا، قبروں پر سجدہ کرنا، قبروں کا طواف کرنا، غیر اللہ کی منتیں ماننا، قبروں پر چڑھاوے چڑھانا، اس کے علاوہ ان کے بہت سے عقائد ایسے ہیں جو اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدے کے خلاف ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب، نور اور حاضر و ناظر جاننا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مختارِ کُل کا عقیدہ رکھنا وغیرہ۔

واللہ تعالیٰ اعلم......دارالافتاء دارالعلوم دیوبند''

۲......فتویٰ: N=12/1433/1059-1076 Question: 42170

18 اکتوبر 2012ء

''**سوال:** سنیت میں دو ٹکڑے۔ دیوبندیت اور بریلویت کیسے جائز ہے؟

جواب: بریلوی فرقہ کا اہل السنۃ والجماعۃ سے اختلاف صرف فروعی نہیں، اصولی ہے، اس لیے یہ لوگ اہل السنۃ والجماعۃ ہی سے خارج ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم......دارالافتاء دارالعلوم دیوبند''

دارالعلوم دیوبند کے یہ فتاویٰ ''فرقِ ضالہ'' کے عنوان کے تحت درج ہیں، گویا کہ اکابر دیوبند جو بحمد اللہ قائلینِ حیات ہیں، وہ بریلویوں کو گمراہ فرقہ اور اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج سمجھتے ہیں۔

اس وضاحت کے بعد کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں علماء دیوبند (قائلین حیات) اور بریلویوں کے نظریات یکساں ہیں، یا علماء دیوبند (قائلین حیات) کا بریلوں سے عقائد کا کوئی اختلاف نہیں۔ ان کا اکابر اشاعۃ التوحید والسنہ سے صرف حیات وسماع میں نہیں اصل توحید وسنت کے مسائل میں اختلاف ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اگر کوئی ایسی بات کو علماء دیوبند کی طرف منسوب کرتا ہے تو اس کا ذمہ دار وہ خود ہے، علماء دیوبند اس سے بری الذمہ ہیں۔

وماعلینا الاالبلاغ

صومالیہ میں پاک فوج کا کردار (فرمانِ امام اہل سنتؒ)

صومالیہ میں سوا کروڑ آبادی ہے اور اٹھانوے فیصد مسلمان ہیں نہایت پختہ قسم کے۔ ان کی پختگی کا اندازہ یہاں سے لگاؤ کہ پورے چالیس سال تک عیسائی مشنریاں وہاں کام کرتی رہی ہیں اور چالیس سالوں میں ایک آدمی بھی عیسائی نہیں بنا سکے۔ امریکہ نے اپنے پادریوں کی سرزنش کی کہ ہم نے تم پر اتنا روپیہ خرچ کیا ہے تم نے چالیس سالوں میں ایک آدمی بھی عیسائی نہیں بنایا۔ ایک رپورٹ کے مطابق اب وہاں سے اپنی مشنریاں نکال رہے ہیں، واللہ اعلم بالصواب۔ اب وہاں دوسرے طریقے سے حملہ آور ہورہے ہیں۔ وہاں تیل کے چشمے اتنے ہیں کہ اگر سارے نکل آئیں تو سعودیہ سے بھی وہاں تیل زیادہ ہے۔ اور صومالیہ کے ساتھ سوڈان لگتا ہے۔ سوڈان کے حکمران نے بڑے احسن طریقے سے تھوڑی تھوڑی کر کے اسلامی اصلاحات نافذ کی ہیں۔ کل تک جو بھوکے مرتے تھے اب کافی حد تک گندم میں وہ خود کفیل ہوگئے ہیں۔ امریکہ چونکہ اسلام سے خائف ہے ان کے خلاف سازشوں میں مصروف ہے۔ اپنی خواہش کو پورا کرنے کیلئے اقوامِ متحدہ کو استعمال کرر ہا ہے۔ اب وہاں سات ہزار پاکستانی فوج بھیجی گئی ہے اپنوں کے ساتھ لڑنے کیلئے۔ شروع شروع میں چار پانچ امریکی مرے ہیں اور بس۔ اب پاکستانی فوج آگے آگے ہے۔ اور بھارت کے فوجیوں کو ہسپتال پر لگایا ہوا ہے۔ وہ زخمیوں کی مرہم پٹی کرتے ہیں اور یہ لڑتے ہیں۔ وہ بھی نمازیں پڑھتے ہیں اور یہ بھی نمازیں پڑھ کر ان پر حملہ کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں پاکستانیو! تم ہمارے ساتھ کیوں لڑتے ہو؟ تم ہمیں امریکہ کے ساتھ لڑنے دو ہم اس کے ساتھ نمٹ لیں گے۔ مگر یہ ہمارے سارے للّو ہیں، ان کے ہاتھوں استعمال ہورہے ہیں۔ (ذخیرۃ الجنان، ج:۱۳، ص:۷۷)

مولانا عبدالعزیز شجاع آبادی رحمہ اللہ
مرسلہ: ابو محمد مولانا ثناء اللہ سعد شجاع آبادی

مفسرینِ کرام رحمہم اللہ ......اور......ہمارے دور کی غیر مقلدیت

(......قسط ۱......)

مفسر قرآن مولانا عبدالعزیز شجاع آبادی رحمہ اللہ کا شمار ہمارے دور کے جید علماءِ کرام میں ہوتا ہے، آپؒ نے ۱۹۹۹ء میں انتقال فرمایا اور شجاع آباد میں اپنے قائم کردہ مدرسہ عزیز العلوم میں مدفون ہوئے۔ آپؒ امام الصرف، ثانی سیبویہ مولانا غلام رسول پونٹویؒ کے خاص شاگرد تھے۔ جنوبی پنجاب کے مختلف اضلاع میں شرک وبدعت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں آپؒ نے توحید وسنت کی تبلیغ کے ذریعے عوام کے عقائد کی اصلاح میں زبردست کردار ادا کیا۔ آپؒ کا شمار ''جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ'' کے بانیوں میں ہوتا ہے لیکن بعد ازاں آپ نے توحید کے نام پر بلا جواز تشدد اور عقیدۂ حیات النبیؐ پر شب خون مارنے والے نام نہاد موحّدین کے عزائم کو بھانپ کر جمعیت اشاعت التوحید سے علیحدگی اختیار کر لی اور ''دعوت الانصاف فی حیات جامع الاوصاف'' کے نام سے خوبصورت کتاب لکھ کر اُمت کے اکابر علماء کے عقائد صحیحہ کو واضح کرتے ہوئے ان کے ساتھ قلبی وابستگی کا اظہار کیا۔ آپؒ کو قدرت نے ''قرآن فہمی'' کا خاص ذوق عطا فرمایا تھا۔ ''کلید قرآن'' آپ کی غیر مطبوعہ تصنیف ہے، جو انشاء اللہ اب جلد ہی زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر علمی حلقوں سے داد تحسین وصول کرے گی۔ اس کتاب میں آپ نے فنِ تفسیر اور اس کے اصول ومبادی اور لوازمات کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ ایک مقام پر مفسرین کے طبقات کی بحث کے دوران موجودہ دور کی غیر مقلدیت کے بارے میں آپ نے تفصیلی اظہارِ خیال فرمایا ہے۔ ہم یہ بحث اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

؎ صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کیلئے

ہمارے دور کے وہابی غیر مقلدین

یہ لوگ سرزمین ہند کی پیداوار ہیں، دنیا کے کسی دوسرے ملک میں یہ مسلک آباد نہیں ہے۔ امت مسلمہ کی تاریخ یہی بتاتی ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ میں چار فقہاء کرام کے مسلک ہیں۔ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی۔ خلفاء بنو عباس جن کی سلطنت کی حدود بہت طول وعرض رکھتی ہیں۔ سب کے سب فقہ حنفی کے پابند تھے۔ خلیفہ ہارون الرشید عباسی کے دور میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی کتاب ''الخراج'' عدالتہائے دیوانی و فوجداری کے لیے مسودہ قانون اور دستورِ سلطنت تھی۔ ازاں بعد خلفاء عثمانی، ترکی، تمام کے تمام فقہ حنفی پر قائم تھے، ادھر ہندوستان میں مغل سلاطین خصوصاً اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کا پچاس سالہ دورِ سلطنت فقہ حنفی پر

عمل کا دور تھا۔ ''فتاویٰ عالمگیری'' اس کی بہترین یادگار ہے۔ اس طرح مردم شماری کے لحاظ سے دنیا کے ایک ارب مسلمانوں میں پچاس کروڑ مسلمان حنفی مسلک پر کاربند ہیں۔

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ دین

احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کتابت و لکھت اور تشریحِ احادیث کرنے والے علماء کرام مسالک اربعہ سے متعلق ہیں۔ اِلا اینکہ کوئی محدث مجتہد فی المذہب ہو، جیسے امام بخاریؒ، یہ شرف خدمتِ حدیث ائمہ مجتہدین یا ان کے مقلدین کو نصیب ہوا۔ موطا امام مالک، مسند امام محمد اور مسند امام احمد، ائمہ دین کی کتابیں موجود ہیں۔ کتبِ احادیث کی شروح، اسماء الرجال کے دفترِ جرح و تعدیل کی نقول، تمام کی تمام ائمہ اربعہ کے مقلدین فقہاء کی کتابیں ہیں۔ کتب تاریخ میں ''البدایہ والنہایہ'' ابن خلکان اور ابن خلدون جیسی تصانیف نیز اعظم التصانیف جیسی کتابیں زینتِ مطبوعات ہیں۔ مگر کوئی بھی ان میں سے غیر مقلد وہابی نہیں تھا۔

فنون عربی

نظم فارسی، علم الاشتقاق، علم معانی، علم بدیع، علم بیان اور علم نحو کے عظیم علماء کرام اور صوفیاء عظام نیز علم الاخلاق اور تصوف پر کتابیں تصنیف کرنے والے سب کے سب مقلدین ہیں۔

دینی مدارس

عالم اسلام میں دو بہت بڑی یونیورسٹیاں ہیں، ایک ہندوستان میں ''دارالعلوم دیوبند'' کے نام سے اور دوسری ''قاہرہ مصر''۔ یہ ہر دو مدرسے مقلدین علماء کی رکھی ہوئی سنگ بنیاد ہیں۔ جو صدیوں سے ملت اسلام کی خدمت میں نمایاں حصہ لے رہی ہیں۔ ان کے اساتذہ اور معلمین و منتظمین میں سے کوئی بھی غیر مقلد، منکرِ تقلید و منکر ائمہ کرام نہیں ہے۔

دنیا کے عظیم راہنما ذاکر، خطیب اور صوفیاء

عالم اسلام کے عظیم مفکر و سکالر، یہود و نصاریٰ اور ملحدین کا کامل جواب، بھٹکی انسانیت کے ہادی، اللہ کے نیک بندے ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی کے مقلد ضرور تھے، غیر مقلد و مغرور نہیں تھے اور نہ سلفی کہلاتے تھے۔

امام غزالیؒ، قاضی عیاضؒ، بایزید بسطامیؒ، جنید بغدادیؒ، شیخ عطارؒ، ابراہیم ادھمؒ، سید عبدالقادر جیلانیؒ، امام ابن تیمیہؒ، شیخ سعدیؒ وابن قیمؒ، معین الدین اجمیریؒ، سید علی ہجویریؒ، سید جلال الدین بخاریؒ،

بختیار کا کیؒ، نظام الدین اولیاء دہلویؒ، شاہ ولی اللہؒ، شاہ عبدالعزیزؒ، سید احمد شہیدؒ، امام ربانی مجدد الف ثانی سرہندی رحمہم اللہ یہ روحانی پیشوا تمام مقلد ہی تھے غیر مقلد کوئی بھی نہیں تھا۔

سلاطینِ اسلام اور فاتح

صفحہ ہستی دنیا پر جن کے نام جلی قلم سے لکھے ہوئے ملتے ہیں، جیسے سلطان صلاح الدینؒ ایوبی فاتح بیت المقدس، سلطان نور الدینؒ زنگی اور سلطان محمود غزنویؒ فاتح سومنات وغیرہ یہ لوگ کسی ایک امام وفقیہ کے مقلد ہی ہوا کرتے، غیر مقلد یا مخالف ائمہ مجتہدین اِن میں سے کوئی بھی نہیں تھا۔

تفسیر قرآن اور مقلدین

کتاب اللہ قرآن مجید کی تفسیری خدمت اس قدر ہوئی ہے کہ اس طرح کسی دوسری آسمانی کتاب کی خدمت کسی امت نے بھی نہیں کی۔ اگر دنیاء اسلام کی تفاسیر جمع کی جائیں تو کوئی ایک مفسر ماسواء اہل ہندوستان کے غیر مقلد نہیں ملے گا۔ البتہ برصغیر میں ایک آدھا مفسر غیر مقلد ملتا ہے اور بس۔ نمونے کے طور چند مشہور تفسیروں کو پیش کیا جاتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ غیر مقلدین نے ملت کو کتنا فائدہ پہنچایا۔

(۱) تفسیر ابن جریر

جس کا دوسرا نام ''جامع البیان'' ہے اس کے مصنف علامہ ابوجعفر محمد ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو ۳۱۰ھ میں فوت ہوئے۔ یہ جلیل القدر شارح، مفسر بھی ہیں اور محدث ومؤرخ بھی ہیں۔ ائمہ مجتہدین میں ان کا شمار ہے۔ تقلید واجتہاد کے مخالف غیر مقلد نہیں تھے بلکہ شافعی مسلک رکھتے تھے۔ ان کی تفسیر کے تیس مجلدات ہیں۔

(۲) تفسیر ابن کثیر

یہ کتاب حافظ عماد الدین ابوالفداء اسماعیل ابن کثیر دمشقی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے جو ۷۷۴ھ میں فوت ہوئے۔ ان کی کتاب وتفسیر چار جلدوں میں ہے جو کتب تفسیر میں امتیازی شان رکھتی ہے۔ اور تمام دینی مدارس میں موجود ہے۔ یہ بلند پایہ مفسر مؤرخ شافعی مسلک تھے، غیر مقلد نہیں تھے۔

(۳) تفسیر قرطبی

اس کا دوسرا نام ''الجامع لاحکام القرآن'' ہے۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح الاندلسی القرطبی اس کے مؤلف ہیں جو ۶۷۱ھ میں فوت ہوئے۔ قرآن مجید سے فقہی احکام ومسائل استنباط کئے۔ آیات کی تشریح، مشکل الفاظ کی تحقیق، اعراب اور بلاغت بیان کی۔ یہ کتاب بارہ جلدوں میں ہے۔ اور

اہل علم لوگوں کے لئے ذخیرۂ معلومات ہے۔صاحب تفسیر حضرت امام مالکؒ کے مقلد تھے۔منکر ائمہ مجتہدین اور غیر مقلدین نہیں تھے۔

(۴)تفسیر کبیر

اس کا دوسرا نام ’’مفاتیح الغیب‘‘ ہے۔اس کے مصنف اسلام کے عظیم سکالر اور امام المتقین فخر الدین رازیؒ ہیں۔یہ تفسیر اپنی مثال آپ ہے۔تشریح کلمات اور ربط بین السور والآیات میں حضرت الامام سابق الغایات ہیں۔ملحدین ومنکرین کے دفاع میں آپ نے دلائل عقلی ونقلی سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کوممنونِ احسان ورہینِ علم کردیا۔امام صاحب اور آپ کی تکمیل میں معاون قاضی شہاب الدین بن خلیل الخولی دمشقیؒ اور شیخ نجم الدین احمد بن محمد القمولی۔حسب ترتیب متوفی ۶۰۶ھ، ۶۳۹ھ، ۷۷۷ھ یہ تینوں حضرات شافعی المسلک تھے۔امام،مفسر،مؤرخ،محدث اورفقیہ تھےمگر غیر مقلد نہیں تھے۔

(۵)تفسیر البحر المحیط

یہ تفسیر علامہ ابوحیان غرناطی اندلسی کی تصنیف ہے۔جو اسلامی علوم کے علاوہ علمِ بلاغت وعلم نحو میں یدِطولی رکھتے تھے۔ان کی تفسیر میں بلاغت کے نِکات،الفاظ کی تحقیق اور ترکیبوں کے اختلاف پرخاص تبصرہ کیا گیاہے۔

اُندلُس۔غَرناطَہ۔رَیّ،دَمِشق علماءشوافع کے مرکز ہیں۔غیر مقلداُن میں سے کوئی بھی نہیں تھا۔

(۶)احکام القرآن

یہ تفسیر حضرت امام ابوبکر جصاص رازیؒ کی تصنیف ہے جوفقہاءِ حنفیہ کے سرخیل ہیں۔قرآن کریم سے فقہی مسائل کا استنباط فرمایاہے۔اس فن کی تمام کتابوں پراس کوفوقیت ہے۔یہ امام حنفی مسلک کے پابند تھےغیر مقلد نہیں تھے۔

(۷)الدر المنثور

یہ تفسیر علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔آپ کی وفات ۹۱۰ھ میں ہوئی۔حضرت علامہ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں ہے،بےشمار کتابوں کے مصنف ہیں۔تمام علوم میں مہارتِ کاملہ رکھتے ہیں۔ہر علم کی خدمت فرمائی۔خصوصاً قرآن وحدیث اورعلمِ عقائد میں کافی حصہ لیا۔معلوماتِ علمی کے بحر بے کنار ہیں۔علامہ موصوف،حافظ ابن جریر،امام بغوی،ابن مردویہ،ابن حبان اورامام ابن ماجہ نےفنِ

تفسیر قرآن کو اپنایا۔ یہ تمام علماء کسی ایک امام کے مقلد تھے غیر مقلد ایک بھی نہیں تھا۔ ایک شافعی ہے تو دوسرا مالکی ہے۔ یہ حنفی ہے تو وہ حنبلی ہے۔ ایک دوسرے کے لئے شیر وشکر ہیں، نہ خلاف ہے نہ عناد، نہ اپنی من مانی اور نہ کسی کا شکوہ، نہ اپنی بڑائی اور نہ دوسرے کی تذلیل و تقبیح کرتے تھے۔

فنِ قرأتِ قرآن

امام المرسلین نبیٔ رحمت کو جب حکم ہوا کہ آپ اپنی امت کو ایک حرف یعنی ایک ہی قرأت پر پڑھنے کا حکم دیں تو آپ نے بار ہا معافی مانگی اور اللہ تعالیٰ نے سات حرفوں پر پڑھنے کی اجازت فرمادی۔ بخاری شریف میں روایت ہے اور امام قسطلانی نے بھی نقل فرمایا ہے۔

ان ھذا القرآن انزل علی سبعة احرف فاقرء وا ما تیسّر منه.

ترجمہ: ''یہ قرآن سات حرفوں پر نازل کیا گیا ہے ان میں سے جو آسان ہو اس طریقہ پر پڑھ لو''۔(مأخذ: مناہل العرفان عن المعارف)

سات قرّاء کا تعارف

(۱) عبداللہ ابن کثیر الداری آپ نے تین صحابہ کی زیارت کی۔ حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ ابن زبیر اور حضرت ابوایوب انصاری (رضی اللہ عنہم)۔ ۱۲۰ھ میں وفات پائی۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ

(۲) حضرت نافع ابن عبدالرحمٰن بن ابی نعیم، آپ نے ستر ایسے تابعین سے علمی استفادہ کیا جو حضرت اُبی ابن کعب، عبداللہ ابن عباس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کے شاگرد تھے، آپ کی وفات ۱۶۹ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

(۳) حضرت امام عبداللہ الحصبی جو ابن عامر شامی مشہور ہیں۔ صحابہ کرام میں سے آپ نے حضرت نعمان بن بشیر، حضرت واثلہ بن الاثقع رضی اللہ عنہما کی زیارت کی تھی۔ آپ حضرت مغیرہؒ بن شہاب مخزومی کے شاگرد ہیں، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔ آپ کی وفات ۱۱۸ھ میں ہوئی۔ اللّٰھُمّ اغفرہ.

(۴) حضرت ابوعمرو زبان ابن العلاء جو حضرت مجاہدؒ اور سعید ابن جبیرؒ کے شاگرد ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ اللّٰھم ارحمہ ۔ آپ کی وفات ۱۵۴ھ میں ہوئی۔

(۵) حضرت حمزہ بن حبیب الزیات مولیٰ عکرمہ بن ربیع التیمیؒ۔ آپ سلیمانؒ اعمش کے شاگرد ہیں۔ آپ کی وفات ۱۸۸ھ میں ہوئی۔

(۶) حضرت عاصم بن ابی النجود الاسدی، آپ زِر بن حُبیش کے شاگرد ہیں۔ اور ایک ایک واسطہ سے حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں۔ آپؒ کی وفات ۱۲۷ھ میں ہوئی۔

(۷) حضرت ابوالحسن علی ابن حمزہ الکسائی۔ آپ کی وفات ۱۸۹ھ میں ہوئی۔

ان سات مشہور قراء کے علاوہ تین اور بھی ہیں جن کی قرأتیں مشہور ہیں۔

(۸) حضرت یعقوب ابن اسحاق حضرمی جو ۲۰۵ھ میں فوت ہوئے۔ کان اللہ لہ

(۹) حضرت خلف ابن ہشامؒ، آپ کی وفات ۲۰۵ھ میں ہوئی۔

(۱۰) حضرت ابوجعفر یزید بن القعقاع جو مدینہ کے مشہور قاری تھے۔ آپ کی وفات ۱۳۰ھ میں ہوئی۔

اللھم ارفع درجتھم.

بعض قراء نے ان دس قراء میں چار کا اور اضافہ کیا ہے۔

(۱۱ تا ۱۴) حضرت حسن بصریؒ۔ محمدؒ ابن عبدالرحمٰن ابن محیض۔ حضرت یحییٰ بن مبارک یزیدی اور ابوالفرج شنبوذی۔ متوفی علی الترتیب ۱۱۰ھ، ۱۲۳ھ، ۲۰۲ھ، ۳۸۸ھ۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

(مأخوذ عن المعارف وغیرہ)

قرآن مجید کی تلاوت کی سہولت

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کا جمع شدہ قرآن زیر، زبر، پیش اور نقطوں سے معرّیٰ تھا۔ نہ اس میں احزاب اور منزلوں کے نشان تھے اور نہ اجزاء اور پارے تقسیم تھے، اس طرح اخماس واعشار، رکوع اور رموز اوقاف بھی نہیں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کے لیے یہ سہولت تابعین اور تبع تابعین نے میسر فرمائی۔ حضرت ابوالاسود رومی نے قرآن مجید کے حروف پر نقطے ڈالے۔ رموزِ اوقافِ قرآن علامہ ابوعبداللہ محمد بن طیغور سجاوندی رحمۃ اللہ علیہ نے وضع فرمائے۔ خلیفہ مامون نے بھی اس میں دلچسپی ظاہر فرمائی۔ (ماخوذ عن المعارف) (جاری ہے......)

پاکستان کیلئے سب سے بڑا فتنہ رافضی اور شیعہ ہے۔ (فرمانِ امام اہل سنتؒ)

اب مرزائیت کا خطرہ کم ہے، کیونکہ اس پر بڑا کام ہو چکا ہے اور رافضیت کا خطرہ زیادہ ہے۔ معلوم نہیں ہمارے بادشاہ ایران سے کیا آرڈر لے کر آئے ہیں، اس بات کو بھولنا نہیں، نوٹ کر لیں کہ: پاکستان کیلئے اس وقت سب سے بڑا فتنہ رافضی اور شیعہ ہے۔ (ذخیرۃ الجنان، ج:۱۳، ص:۱۴۰)

احسن خدامی

فلم کے ذریعے ناموسِ رسالت کا تحفظ......؟

محترم جناب مولانا احسن خدامی صاحب! السلام علیکم!

ہفت روزہ ندائے ملّت ۳۱ جنوری ۲۰۱۳ء کا شمارہ پیشِ خدمت ہے، اس میں ایک فلم کی تقریبِ رونمائی کا ذکر ہے۔ اس فلم کو مبینہ طور پر ''ناموسِ رسالت کے تحفظ'' کیلئے بنایا گیا ہے۔ اس فلم کی تقریبِ رونمائی میں دیوبندی خاندان سے تعلق رکھنے والے اور خود کو دیوبندی کہنے والے ایک مشہور عالمِ دین بھی شریک تھے، انہوں نے بھی اسے جواز کا درجہ دیا۔ فلم بنانے والے فلمساز کا کہنا ہے کہ مولانا نے فلم میں چلنے والی موسیقی کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ لیکن مولانا کا کہنا ہے کہ: میں اس فلم کے حق میں فتویٰ نہیں دیتا، مگر وہ اس فلم کی تقریبِ رونمائی میں شریک بھی ہوئے ہیں اور انہوں نے اس کے حق میں دلائل بھی دیئے ہیں۔ ازراہِ کرم آپ مجلّہ صفدر کے صفحات میں یہ واضح فرمائیں کہ کیا ناموسِ رسالت کے تحفظ کے لیے فلم بنانا شرعاً درست اور جائز ہے؟ اگر جائز نہیں تو ایک مشہور دیوبندی عالمِ دین کا ایسی تقریب میں شریک ہونا کیسا ہے......؟

محمد طیب قریشی، ٹاؤن شپ، لاہور

نحمده و نصلي على رسوله الكريم، اما بعد!

آپ کا ارسال کردہ شمارہ ملاحظہ کیا، اس میں مذکورہ مولانا صاحب کی تصاویر اور ان کے بیان کے اقتباسات بھی دیکھے، اور انتہائی تعجب و افسوس ہوا۔ آپ ﷺ کے احکامات کی علانیہ مخالفت کرتے ہوئے آپ کی ناموس کا تحفظ کرنا آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی کے ساتھ ایک کھلا مذاق نہیں تو اور کیا ہے؟ اس وقت دنیا میں موجود جتنی بھی برائیوں پر غور کیا جائے، اکثر و بیشتر کا کھرا اسی منحوس فلم تک پہنچتا ہے۔ جو بے حیائی، فحاشی، عریانی کا سیلاب دنیا میں موجود ہے، جس قدر زنا عام ہو رہا ہے، جھوٹ کو باعثِ فخر سمجھا جا رہا ہے، چوری، ڈکیتی اور مار دھاڑ کے نت نئے طریقے ایجاد ہو رہے ہیں، مال و دولت کی ہوس بڑھ رہی ہے، بڑوں کا احترام اور ادب مفقود ہو رہا ہے، ان سب برائیوں اور بدکاریوں کا سرچشمہ فلم ہی ہے، فلم ہی ہے جو ان تمام افعالِ بد کی استاد ہے اور دنیا جہان کو ہر قسم کی برائیاں سکھاتی ہے۔ اس صورتِ حال کو مدّ نظر رکھتے ہوئے اگر بالفرض فلم کی اسلام میں کوئی ممانعت نہ بھی ہوتی اور شریعت میں اس پر کوئی پابندی بھی نہ ہوتی تب بھی اس زمانہ میں اس کے مفاسد پر نظر کرتے ہوئے اس پر پابندی لگا دی جاتی تو شائد زیادہ اچنبھے کی بات نہ ہوتی، مگر

مزے کی بات یہ ہے کہ ان تمام معائب و مفاسد کا سرچشمہ ہونے کے علاوہ خود فلم ہی اپنے لوازمات کے ساتھ شریعت کی نظر میں ممنوع و مبغوض ہے اور پھر بھی مولانا محترم اس فلم کے ذریعے ناموسِ رسالت کا تحفظ کرنے کی تلقین فرما رہے ہیں۔ اس عجیب و غریب اجتہاد پر بار بار افسوس کے علاوہ اور کیا ،کیا جا سکتا ہے؟

مولانا محترم نے اس فلم کو سندِ جواز عطا کرنے کیلئے جو استدلال فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ: اسلامی تعلیمات کے مطابق دشمن کے کھیتوں کو جلانا، درختوں کو کاٹنا اور عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا ناجائز ہے، اور ایٹم بم چلانے سے یہ تمام مفاسد پیدا ہوتے ہیں، اس لئے ایٹم بم کو بھی ناجائز ہونا چاہئے، لیکن چونکہ دشمن کے پاس موجود ایٹم بم کا مقابلہ ایٹم بم کے بغیر نہیں کیا جا سکتا اس لئے ایٹم بم ناجائز ہونے کے باوجود ہماری ضرورت ہونے کی وجہ سے جائز ہے۔ اسی طرح ناموسِ رسالت کا تحفظ بھی فلم کے بغیر ممکن نہیں لہٰذا ناموسِ رسالت کے تحفظ کیلئے فلم بنانا بھی جائز ہے۔

ہم بڑے ہی ادب و احترام سے مولانا کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ ایٹم بم بنانے اور چلانے میں فرق ہے، اسلامی تعلیمات کی مخالفت ایٹم بم کو ''چلانے'' سے لازم آتی ہے اور ہماری ضرورت ایٹم بم کو صرف ''بنانے'' سے پوری ہو جاتی ہے، اس لئے کہ قرآنِ پاک نے مسلمانوں کو ہتھیار تیار رکھنے کا جو حکم دیا ہے اس کی علّت یہ بیان کی ہے کہ اس اسلحے سے اللہ کے دشمنوں کو مرعوب و دہشت زدہ رکھا جا سکے، یہ حکم محض ایٹم بم تیار کرنے اور دشمنوں کیلئے تیار رکھنے سے پورا ہو جاتا ہے اور اس حکم کی بجا آوری میں اسلام کے کسی حکم کی خلاف ورزی لازم نہیں آتی۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ایٹم بم ایسا ہتھیار ہے جس کا وجود شائد اس کے استعمال سے زیادہ اہم ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کے استعمال کی واحد مثال اس وقت کی ہے جب یہ صرف ایک ملک کے پاس موجود تھا۔ جب سے اس کے بنانے والوں میں اضافہ ہوا ہے اس کے بعد اس کے استعمال کی کسی ایک کو بھی جرأت نہیں ہوئی۔ بہرحال اگر ایٹم بم کو چلانے کا موقع آئے تو اس کے جواز اور عدمِ جواز کی بحث ضرور کی جائے گی مگر مولانا محترم کا ایٹم بم بنانے کو ہی ناجائز کہنا اور پھر اس پر قیاس کر کے فلم کو سندِ جواز عطا کرنا بالکل بے محل ہے۔

دوسری بات جو مولانا نے ارشاد فرمائی ہے، یہ ہے کہ ناموسِ رسالت کے تحفظ کیلئے فلم بنانا ''ضرورت'' ہے۔ اور ضرورت کی وجہ سے جائز ہے۔ ہم بہت ہی ادب سے مولانا کی اس بات سے بھی شدید اختلاف کرتے ہوئے ناموسِ رسالت کے تحفظ کیلئے فلم کے ضروری ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ ایٹم بم کے ''ضروری'' ہونے کی بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ اگر اسلامی ممالک میں سے کسی ایک کے پاس بھی ایٹم بم نہ ہو تو کفار جب چاہیں بے خوف و خطر کسی بھی اسلامی ملک پر حملہ کر کے چشم زدن میں لاکھوں مسلمانوں کو تہِ تیغ کر سکتے ہیں، لیکن ناموسِ رسالت کے تحفظ کیلئے فلم کے ''ضروری'' ہونے کی بات کم از کم اس نادان کو بالکل

سمجھ نہیں آئی۔ اگر ناموسِ رسالت پر فلم نہ بنائی جائے تو کیا ہوگا؟ کیا مسلمان عشقِ محمد مصطفیٰ سے نا آشنا ہوجائیں گے؟ کیا مسلمانوں کا حبِ رسول اللہ ﷺ کسی فلم کے دیکھنے دکھانے پر موقوف ہے؟ یا پھر کفار سے یہ امید ہے کہ اس فلم کے دیکھنے کے بعد وہ مقامِ محمد عربی ﷺ سے آشنا ہوجائیں گے اور آئندہ آپ ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی سے توبہ کرلیں گے؟ ہم بڑے ادب سے ان سے یہ سوال کرتے ہیں کہ آخر کس دلیل کی بناء پر ناموسِ رسالت کا تحفظ بدون فلم کے نہیں ہوسکتا اور تحفظِ ناموسِ رسالت کیلئے فلم کا بنایا جانا ہی کیوں ضروری ہے؟ کیا ابلاغ کے دیگر ذرائع مکمل طور پر مسدود ہوگئے ہیں اور کیا اقوامِ عالم نے ٹی وی اور فلم کے علاوہ باقی ذرائعِ ابلاغ کو پسِ پشت ڈال دیا ہے؟ کیا یورپی ممالک میں اخبار نہیں چھپتے؟ کیا وہاں مظاہروں کے ذریعے اپنی بات لوگوں تک پہنچانے کا سلسلہ متروک ہوچکا ہے؟ کیا وہاں کتابیں شائع کرنے، بیانات اور تقریریں کرنے کا رواج بالکلیہ ختم ہوچکا ہے؟ کیا فیس بک اور دیگر جدید ذرائعِ ابلاغ کے ذریعے کسی حکمِ اسلامی کو توڑے بغیر اپنے جذبات واحساسات کو دنیا تک پہنچانا ممکن نہیں رہا؟ کیا خطبۂ جمعہ کا ہمارا منفرد میڈیا جسے ہر جمعے کروڑوں مسلمان دیکھتے ہیں، غیر مؤثر ہوچکا ہے؟ اگر یہ سب ذرائعِ ابلاغ موجود ہیں اور بالیقین موجود ہیں تو آخر کیوں رسول اللہ ﷺ کی ناموس کا تحفظ آپ ہی کے احکامات کی علانیہ مخالفت کرکے کرنا ضروری ہے؟

ضرورت کس چیز کا نام ہے......؟

خدارا! حضرت مولانا اس گتھی کو ہی سلجھادیں کہ ضرورت نام کس چیز کا ہے؟ اگر تمام دنیا ایک حرام کام پر مجتمع ہوجائے تو اس حرام کو سندِ جواز فراہم کردینا ضرورت ہے؟ اگر ''ضرورت'' کی تعریف یہی ہے تو ایک فلم ہی پر کیا موقوف، تمام منکرات اور محرمات کو حلت کے فتویٰ سے آراستہ کرکے اسلام کا بول بالا کردینا کیوں ''ضروری'' نہیں؟ کتنے ہی کفار ہیں جو اسلام کے احکامات کی پابندی نہ کرسکنے کی وجہ سے اسلام کو قبول کرنے سے ہچکچاتے ہیں، اگر ان کی ''ضرورت'' کو مدِ نظر رکھتے ہوئے نماز سے ان کو چھٹی دے دی جائے، روزے کی فرضیت کو ''اجتہاد'' کرکے اٹھادیا جائے، شراب کی گنجائش نکال لی جائے، سود اور زنا کو مباح قرار دے دیا جائے، زکوٰۃ کو موقوف کردیا جائے اور ان سب افعالِ قبیحہ کو اسلام کی ترقی کی ''ضرورت'' کے خوش نما عنوان سے معنون کردیا جائے تو آخر اس میں مولانا کے نزدیک قباحت کیا ہے؟ کتنے ہی لوگ ہیں جو زندگی بھر کسی مدرسے، مسجد اور مولوی کے قریب تک نہیں بھٹکتے، ان کی شامیں قحبہ خانوں اور نائٹ کلبوں میں گذرتی ہیں، اگر ان کی ''ضرورت'' کو مدِ نظر رکھ کر ایک ''اسلامی قحبہ خانہ'' قائم کردیا جائے جہاں ان کو ان کا ماحول فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ ''دین کی تبلیغ'' بھی کی جائے تو کیا اسے عقلمندی قرار دیا جاسکتا ہے؟

حضرت بنوریؒ کا فلم کے ذریعے دین کی تبلیغ کے بارے میں ارشاد:

محدثِ کبیر، نمونۂ سلف، ثانیٔ حضرت کشمیری حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کو اللہ جل شانہ نے جو بلند علمی مقام عطاء فرمایا تھا وہ محتاجِ تعارف نہیں۔ آپ نے دینی و سیاسی طور پر بھی مسلمانوں کی اہم ترین تحریکات کی قیادت فرمائی جس کی بناء پر آپ کی حالاتِ حاضرہ سے واقفیت اور بیدار مغزی بھی مسلّم ہے اور آپ کی بات کو محض ایک قدامت پسند مولوی کی بات کہ کر ٹال دینا ممکن نہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حضرت اقدس بنوریؒ کا ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں جو جو مولانائے محترم کیلئے، اور عوام مسلمین کیلئے ایک زرّیں اور روشن نصیحت ہے۔ مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ حضرت بنوریؒ کے ساتھ اپنے آخری سفر کی داستان سناتے ہوئے، جس سفر میں حضرت بنوریؒ نے انتقال فرمایا، اپنی کتاب ''یادِ رفتگاں'' میں رقم طراز ہیں:

''بعض حضرات نے مولانا سے فرمائش کی تھی کہ وہ ٹیلیویژن پر خطاب فرمائیں، مولانا نے ریڈیو پر خطاب کو تو قبول کر لیا تھا، مگر ٹیلی ویژن پر خطاب سے معذرت فرما دی تھی کہ یہ میرے مزاج کے خلاف ہے۔ اسی دوران غیر رسمی طور پر یہ گفتگو بھی آئی تھی کہ فلموں کو مخرّبِ اخلاق عناصر سے پاک کر کے تبلیغی مقاصد کیلئے استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں مولانا نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس کا خلاصہ یہ تھا:

''اس سلسلے میں ایک اصولی بات کہنا چاہتا ہوں، اور وہ یہ کہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کے مکلّف نہیں ہیں کہ جس طرح بھی ممکن ہو، لوگوں کو پکا مسلمان بنا کر چھوڑیں، ہاں اس بات کے مکلّف ضرور ہیں کہ تبلیغِ دین کیلئے جتنے ذرائع و وسائل ہمارے بس میں ہیں ان کو اختیار کر کے اپنی پوری کوشش صرف کر دیں۔ اسلام نے ہمیں جہاں تبلیغ کا حکم دیا ہے، وہاں تبلیغ کے باوقار طریقے اور آداب بھی بتائے ہیں، ہم ان طریقوں اور آداب کے دائرے میں رہ کر تبلیغ کے مکلّف ہیں، اگر ان جائز ذرائع اور تبلیغ کے ان آداب کے ساتھ ہم اپنی تبلیغی کوششوں میں کامیاب ہوتے ہیں تو عین مراد ہے، لیکن اگر بالفرض ان جائز ذرائع سے ہمیں مکمل کامیابی حاصل نہیں ہوتی تو ہم اس بات کے مکلّف نہیں ہیں کہ ناجائز ذرائع اختیار کر کے لوگوں کو دین کی دعوت دیں، اور آدابِ تبلیغ کو پسِ پشت ڈال کر جس جائز و ناجائز طریقے سے ممکن ہو، لوگوں کو اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کریں۔ اگر ہم جائز وسائل کے ذریعے اور آدابِ تبلیغ کے ساتھ ایک شخص کو بھی دین کا پابند بنا دیں گے تو ہماری تبلیغ کامیاب ہے، اور اگر ناجائز ذرائع استعمال کر کے ہم سو آدمیوں کو بھی اپنا ہمنوا بنا لیں تو اس کامیابی کی اللہ کے یہاں کوئی قیمت نہیں۔ کیونکہ دین کے احکامات کو پامال کر کے جو تبلیغ کی جائے گی وہ دین کی نہیں کسی اور چیز کی تبلیغ ہوگی۔ فلم اپنے مزاج کے لحاظ سے بذاتِ خود اسلام کے احکام کے خلاف ہے، لہٰذا ہم اس کے ذریعے تبلیغِ دین کے مکلّف نہیں ہیں، اگر کوئی شخص جائز

اور باوقار طریقوں سے ہماری دعوت کو قبول کرتا ہے تو ہمارے دیدہ و دل اس کیلئے فراشِ راہ ہیں، لیکن جو شخص فلم دیکھے بغیر دین کی بات سننے کیلئے تیار نہ ہو اسے فلم کے ذریعے دین کی دعوت دینے سے ہم معذور ہیں، اگر ہم یہ مؤقف اختیار نہ کریں تو آج ہم لوگوں کے مزاج کی رعایت سے فلم کو تبلیغ کیلئے استعمال کریں گے کل بے حجاب خواتین کو اس مقصد کیلئے استعمال کیا جائے گا، اور رقص و سرود کی محفلوں سے لوگوں کو دین کی طرف بلانے کی کوشش کی جائے گی، اس طرح ہم تبلیغ کے نام پر خود دین کے ایک ایک حکم کو پامال کرنے کے مرتکب ہوں گے۔''

حضرت بنوریؒ کے ان نادر ارشادات کو نقل فرمانے کے بعد حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

''یہ کونسل میں مولانا کی آخری تقریر تھی، اور غور سے دیکھا جائے تو یہ تمام دعوتِ دین کا کام کرنے والوں کیلئے مولانا کی آخری وصیت تھی جو لوحِ دل پر نقش کرنے کے لائق ہے۔''

عابدہ پروین کے ''صوفی سونگز''

یہ سطور تحریر کرنے کے دوران ہی ہمیں ''یوفون'' کمپنی کی طرف سے میسج ملا ہے جس میں رمضان المبارک کی مبارک ساعات میں ''عابدہ پروین'' کے ''صوفی سونگز'' سے اپنی روح کو شاداب کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ قارئین کرام اندازہ لگائیں کہ یہ ''قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید'' کا مصداق ہے یا نہیں؟

''زمینی حقائق'' کو ملحوظ رکھئے...!

جدید دور کے محققین اور روشن خیالانِ زمانہ اکثر و بیشتر ''زمینی حقائق'' کی رٹ لگاتے نظر آتے ہیں۔ اگر وہ خود بھی ''زمینی حقائق'' کی طرف دیکھنا پسند فرمائیں تو انہیں یہ حقیقت نظر آئے گی کہ اس وقت کی اسلامی تحریکات میں سب سے مقبول اور عظیم عسکری تحریک، تحریکِ طالبان افغانستان، اور صفِ اول کی اصلاحی تحریک، تبلیغی جماعت، یہ دونوں عالمِ اسلام کی مقبول ترین تحریکات ہیں، دونوں پوری دنیا میں غیر معمولی اثر و رسوخ رکھتی ہیں، دونوں کے پاس اپنے اپنے انداز میں قربانیوں کی لازوال داستانیں ہیں، مخلص کارکنوں کی جتنی بڑی کھیپ ان دونوں تحریکوں کے پاس ہے، شائد ہی کسی اور تحریک کے پاس ہو، دونوں نے اپنے اپنے میدان میں اتنا کام کیا ہے جو ناقابلِ انکار اور ناقابلِ فراموش ہے۔ لیکن مزے کی بات ہے کہ بلا مبالغہ لاکھوں افراد کے دلوں کے ساتھ دھڑکنے والی یہ دونوں تحریکات موجودہ ذرائع ابلاغ کے استعمال سے تقریباً نابلد ہیں۔ ناجائز ذرائع ابلاغ کو تو چھوڑیے، ان تحریکات نے تو جائز ذرائع ابلاغ کو بھی ہاتھ لگائے بغیر ناقابلِ یقین حد تک میدانِ عمل میں پیش قدمی کی ہے، جبکہ فلموں، ڈراموں، میڈیا اور ٹاک شوز کے میدانوں میں معرکے مارنے والی اکثر تحریکات کاغذی کاروائیوں تک محدود اور عمل اور افراد سازی کے میدان میں بالکل صفر ہیں۔ کیا اس کے بعد بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ مروجہ ناجائز ذرائع ابلاغ اسلام کی تبلیغ کیلئے ضروری ہیں......؟

الضرورة تتقدر بقدر الضرورة......

محترم مولانا صاحب اس فلم کو اصلاً ناجائز سمجھتے ہوئے ''ضرورت'' کی بناء پر اس کے جواز کے قائل ہیں۔ اگر ہم تھوڑی دیر کیلئے مولانا کی بات کو تسلیم کرلیں تو پھر بھی فقہائے کرام کا قاعدہ ہے کہ ''ضرورت کو ضرورت کی حد تک ہی محدود رکھا جاتا ہے'' چنانچہ اگر کسی شخص کو اضطراری حالت میں خنزیر کا گوشت کھانا پڑے، تو اگر اس کی جان اس کے دو لقموں سے بچ سکتی ہے تو تیسرا لقمہ کھانا حرام ہے اور اگر تین لقموں سے جان بچ سکتی ہے تو چوتھا لقمہ کھانا حرام ہے۔ اسی طرح اگر ہمارے ممدوح مولانا اس فلم کو ''ضرورت'' کی وجہ سے جائز قرار دینے پر ہی مصر تھے تو انہیں اس کو ضرورت کی حد تک ہی محدود رکھنا چاہئے تھا، ایک شخص نے توہینِ رسالت کے خلاف فلم بنائی تھی تو اس کے اس عمل سے چشم پوشی پر بھی اکتفاء کیا جاسکتا تھا، پریس کلب میں جا کر اس فلم کو دیکھنے اور پھر اس کے لئے دلائل پیش کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔ اگر شراب کے عادی کچھ لوگ شراب کو چھوڑ کر افیون پر آجائیں تو یقیناً ان کی حوصلہ افزائی کی جائے گی، لیکن کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ سٹیج پر جا کر افیون کے فوائد وفضائل پر بیانات شروع کردیئے جائیں؟

مولانا کے اس فتوی کا اثر کس پر پڑے گا؟

مولانا محترم کو اس بات پر بھی غور فرمانا چاہئے کہ جو لوگ پہلے سے فلمیں دیکھنے کے عادی ہیں انہیں یہ فلم دیکھنے کیلئے مولانا کے فتویٰ کی (جسے مولانا فتویٰ نہیں کہتے رائے کا نام دیتے ہیں) کوئی حاجت نہیں۔ البتہ وہ لوگ جو پہلے فلم کو شجرۂ ممنوعہ سمجھتے ہوئے اس سے دور بھاگتے تھے، مولانا کے اس فتویٰ کے بعد بصد شوق اس فلم کو دیکھیں گے اور کیا اس فلم کو دیکھنے کے بعد وہ دوسری فلموں کو دیکھنا حرام سمجھیں گے؟ جب عادی فلم بینوں کے لئے مولانا کے فتویٰ کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہے تو سیدھے سادے، بھولے بھالے مسلمانوں کو فلم بینی کے رستے ہمہ قسم برائیوں کا راستہ دکھانے کے سوا اس فتویٰ کا کیا نتیجہ ہے؟

ان الله لا یمحو السیئة بالسیئة......!

جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ ''اللہ جل شانہ برائی کو برائی کے ذریعے نہیں مٹاتے'' آپ علیہ السلام کے اس ارشادِ گرامی سے واضح ہوا کہ برائی کو کسی جائز اور نیک طریقے سے ہی ختم کرنا ممکن ہے، برائی کے ذریعے برائی کو ختم کرنے کی کوشش کرنا ایسے ہی ہے جیسے پاخانے سے آلودہ کپڑے کو پیشاب کے ساتھ دھو ڈالنا، ظاہر ہے اس سے نجاست کا ''دو آتشہ'' ہونا تو ممکن ہے مگر کپڑے کا پاک ہونا بالکل محال، اسی طرح فلم، اور اس قبیل کے دیگر قبائح ومنکرات کے ذریعے فسق وفجور اور ظلم وعدوان میں مزید اضافہ تو ممکن ہے مگر اصلاحِ احوال اور تقویٰ ونیکی کی ترویج بالکل ناممکن... لہٰذا مولانا محترم سے عاجزانہ گزارش ہے کہ وہ امتِ مسلمہ کے حال پر رحم فرمائیں، اللہ جل شانہ ہم سب کو سیدھے رستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مولانا مفتی شعیب احمد

اسلام کا تصور جہاد......اور......عمار خان ناصر

(......قسط۴......)

''تعبیر نو'' کا اطلاق اس وقت تو درست ہوتا جب توجیہ بدلنے کے باوجود جہاد کے احکامات نہ بدلتے اور مسئلہ اپنی جگہ ہی رہتا۔اس کے برعکس جب سارا مسئلہ ہی بدل جائے تب بھی ایسی ''نئی دریافت'' کو تعبیر نو کہنا صریح زیادتی اور کھلی ناانصافی ہے۔ بلکہ اگر ایک قدم اور آگے بڑھیں تو یہاں مسئلہ صرف جہاد کی تعبیر نو کا نہیں بلکہ پورے اسلام کا ہے کیونکہ خود عمار صاحب کے بقول جہاد کی تعبیر پر پورے اسلام کی تعبیر موقوف ہے۔موصوف اپنے مقالے کے پہلے صفحے پر لکھتے ہیں:

> ''اسلام میں جہاد کا تصور اس کی غرض وغایت اور بنیادی فلسفہ کیا ہے؟ یہ سوال ان اہم اور نازک ترین سوالات میں سے ہے جن کا جواب بحیثیت مجموعی پورے دین کے حوالے سے ایک متعین زاویہ نگاہ کی تشکیل کرتا اور دین کے اصولی وفروعی اجزاء کی تعبیر وتشریح پر نہایت گہرے طور پر اثر انداز ہوتا ہے۔''

پھر اسی صفحے پر کچھ سطور کے بعد رقمطراز ہیں:

> ''اسلام کے تصور جہاد کی تعبیر وتشریح کے ساتھ اس کے مابعد الطبیعیاتی تصورات اور اخلاقی اصولوں کے ایک بڑے حصے کی تعبیر وتشریح کا سوال بھی وابستہ ہے۔ چنانچہ اس سوال کا کوئی بھی متعین جواب نہ صرف حیات انسانی کے حوالے سے اسلام کے عمومی مزاج اور زاویہ نگاہ کی عکاسی کرے گا بلکہ اس کا نہایت گہرا تعلق اس بات سے بھی ہوگا کہ اسلام مابعد الطبیعیاتی سطح پر انسانی زندگی کے بارے میں خدا کی اسکیم کی کیا وضاحت کرتا اور انسانی اخلاقیات کے دائرے میں دنیا کے دوسرے گروہوں اور مذاہب کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات کی کیا نوعیت متعین کرتا ہے۔'' (جہاد:۱۰۹)

ان اقتباسات کی روشنی میں یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ فراہی صاحب کی طرف سے دریافت کردہ اور غامدی وعمار صاحب کے ہاتھوں پروردہ فلسفہ جہاد کی تبدیلی اگر صرف جہاد ہی کے ایک باب تک منحصر رہتی تب بھی مسئلہ سنگین اور نازک تھا کہ جہاد ذروۃ سنام الاسلام (یعنی اسلامی کی چوٹی) ہے لیکن یہاں تو بقول عمار صاحب پورے اسلام کی تعبیر کا سوال بھی وابستہ ہے۔ گویا جب تصور جہاد بدلا تو پورا تصور مذہب ودین ہی بدل گیا۔ چنانچہ جب فراہی صاحب نے پوری امت سے ہٹ کر نیا تصور جہاد دریافت کیا ہے تو اس کا لازمی

تقاضا ہے کہ ان کا باقی اسلام بھی نیا ہونا چاہیے۔اس لیے عمار خان کی کوشش چاہے کچھ بھی ہو فراہی صاحب کی دریافت اور اس کی ساخت وپرداخت کو صرف 'تعبیر نو' کہہ کر ٹالا نہیں جاسکتا۔

اس تصور جہاد کو درست مان لینے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ امت کے چودہ صدیوں کے جمہور علماء اور مقتدر اہل علم کی بیک قلم تغلیط کی جائے،اور یہ مانا جائے کہ جہاد جیسے شریعت کے اہم حکم اور بقول عمار صاحب شریعت کے 'انتہائی اہم بنیادی تصورات میں سے ایک تصور' کے بارے میں گذشتہ سارے لوگ ایک زبردست اور بدیہی غلطی میں مبتلا رہے کہ وہ اقدامی جہاد برائے اعلائے کلمۃ اللہ کو مسلمانوں کی اجتماعی ذمہ داریوں میں شامل کرتے رہے اور انہیں یہ خبر نہ ہوئی کہ یہ تو صحابہ کے بعد سے خود بخود ختم ہو چکا ہے۔آخر یہ کیسے باور کرلیا جائے کہ اتنے اہم اور بنیادی تصور میں امت کے اجتماعی ضمیر کو نہ صرف ٹھوکر لگی بلکہ اس ٹھوکر پر صدیوں امت برقرار بھی رہی ہے۔!!!

پھر اگلا سوال یہ ہے کہ اگر معاملہ یوں ہی کھلے بندوں چلتا رہے،کوئی ختم نبوت کے معنی امت کی اجتماعی خرد ودانش سے ہٹ کر لیتا رہے،کوئی حدیث کے معنی افسانہ کرتا رہے،کوئی سنت کا مفہوم بدلتا رہے،اور کوئی جہاد جیسے اہم تصور کی بنیادوں میں نئی بوقلمونیوں سے کام لیتا رہے تو شریعت کا حلیہ کیا ٹھہرے گا۔؟؟؟

فصل: جہاد برائے دفع ظلم کا جائزہ

غامدی وعمار صاحبان کے نزدیک بنیادی طور سے جہاد کی دو علیحدہ قسمیں ہیں۔ایک غلبہ اسلام کے لیے اور دوسرا ظلم وعدوان کے خلاف۔قطع نظر اس سے کہ اس تقسیم اور اس مرتب تفریعات سے کیا کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں،فی نفسہ اس تقسیم کی معقولیت جانچنا ضروری ہے،جس کے لیے ہمیں متعلقہ دلائل کا جائزہ لینا ہوگا۔عمار صاحب نے ''ظلم وفتنہ کے خلاف جہاد'' کے حق میں مندرجہ ذیل دلائل ذکر کیے ہیں:

> **اذن للذین یقاتلون بانهم ظلموا وان الله علی نصرهم لقدیر .الذین اخرجوا من دیارهم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا الله ولو لا دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبیع وصلوات ومساجد یذکر فیها اسم الله کثیرا ولینصرن الله من ینصره ان الله لقوی عزیز (الحج ۲۲:۳۹،۴۰)**
>
> ''جن اہل ایمان کے ساتھ جنگ کی جاتی ہے،انہیں اجازت دی جاتی ہے (کہ وہ بھی لڑائی کریں) کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا اور بے شک اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ناحق ان کے گھروں سے نکال دیا گیا،محض اس جرم میں کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب صرف اللہ ہے۔اور اگر اللہ ایک گروہ (کے ظلم وعدوان) کو دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرے تو خانقاہوں،گرجوں،کنیسوں اور مسجدوں جیسے مقامات جن میں اللہ کو کثرت سے یاد کیا جاتا ہے،گرادیے جاتے۔اور جو لوگ اللہ کی مدد

کریں گے اللہ ان کی ضرور مدد کرے گا، بے شک اللہ بہت قوت والا نہایت غالب ہے۔''

سورہ نساء میں ہے:

ومالكم لاتقاتلون فى سبيل الله والمستضعفين من الرجال والنساء والولدان الذين يقولون ربنا اخرجنا من هذه القرية الظالم اهلهاواجعل لنا من لدنک وليا واجعل لنا من لدنک نصيرا (نساء۴:۷۵)

''تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کے راستے میں اور کفار کی چیرہ دستی کا شکار ان مردوں، عورتوں اور بچوں کو چھڑانے کے لیے قتال نہیں کرتے جو یہ دعائیں مانگتے ہیں کہ یا اللہ ہمیں اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور اپنی جناب سے ہمارے لیے کوئی مددگار اور اپنے پاس سے ہمارے لیے کوئی حامی بھیج دے۔''

سورہ انفال میں ارشاد ہوا ہے:

وان استنصروكم فى الدين فعليكم النصر الا على قوم بينكم وبينهم ميثاق والله بماتعملون بصير. والذين كفروا بعضهم اولياء بعض الا تفعلوه تكن فتنة فى الارض وفساد كبير (الانفال۸:۷۲،۷۳)

''اور اگر وہ دین کے معاملے میں تم سے مدد مانگیں تو تم پر ان کی مدد کرنا لازم ہے، سوائے اس صورت کے کہ وہ کسی ایسی قوم کے خلاف مدد مانگیں جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اسے خوب دیکھ رہا ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اگر تم (ان کے مقابلے میں) اہل ایمان کی مدد نہیں کروگے تو زمین میں فتنہ اور بہت بڑا فساد پھیل جائے گا۔''

اس کے بعد نتیجے کے طور پر لکھتے ہیں:

ان نصوص کا حاصل یہ ہے کہ کفار کے جو گروہ مسلمانوں پر کسی بھی نوعیت کے ظلم وستم اور جارحیت کا ارتکاب کریں اور بالخصوص عقیدہ و مذہب کے انتخاب واختیار کے معاملے میں ان کی آزادی چھیننے کی کوشش کریں، ان کے خلاف تلوار اٹھانا نہ صرف جائز ہے بلکہ قوت واستطاعت اور حالات کی موافقت اور جنگ کے اخلاقی اصولوں کی پاسداری کی شرط کے ساتھ ایک اخلاقی (۱) فریضے کی حیثیت رکھتا ہے۔ (جہاد:۱۱۲)

ان دلائل کا حاصل صرف اتنا ہے کہ جہاں کچھ مسلمان مظلوم ہوں اور خاص طور سے دین پر عمل کرنے کی وجہ سے انہیں کفار کے مظالم کا سامنا ہو تو دوسرے مسلمانوں پر ان کی مدد کے لیے جہاد کرنا لازمی ہے، لیکن یہ کہ دفع ظلم کا جہاد غلبہ دین والے جہاد سے الگ کوئی قسم ہے، یہ ان آیات سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ

(۱)۔ کیا شریعت کے قانون اور احکام کا اس سے کوئی تعلق نہیں؟؟؟؟

اگر غور کیا جائے تو دفع ظلم کے لیے جہاد کا حاصل بھی اعلائے کلمۃ اللہ اور غلبہ دین ہی ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ

۱......اگر کوئی مسلمان حکمران اپنے علاقے اور ملک میں ظلم وسرکشی پر اتر آئے تو وہ درحقیقت دین و شریعت کو پیچھے اور نیچے کرتا ہے کیونکہ ظلم دین کی ضد ہے۔ لہٰذا خلیفہ المسلمین جب اس حکمران کے خلاف لشکر کشی کرے گا تو اس سے غرض دین وشریعت کی سربلندی کی بحالی ہوتی ہے۔ خیر القرون میں حضرت زید شہید رحمہ اللہ اور حضرت حسن بن مثنی رحمہ اللہ نے ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج کیا تو ان کی غرض یہ نہیں تھی کہ محض اقتدار حاصل کرلیں بلکہ بلاشبہ ان کی غرض دین وشریعت کی سربلندی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس وقت کے بڑے بڑے فقہاء مثلاً امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ نے ان کی حمایت اور مدد کی۔

۲......اگر کافر کسی مسلمان ملک پر چڑھائی کردیں تو مسلمان ان کے ظلم سے دفاع کریں یا اگر کافر قابض ہوجائیں تو ان ظالم وغاصب کافروں کے خلاف جنگ آزادی لڑیں اور اس ملک کے مسلمان عاجز ہو جائیں تو پڑوس مسلمان ملکوں بلکہ ایک ایک کرکے دنیا بھر کے مسلمان ملکوں کے ذمہ لازم ہے کہ وہ کافروں کے تسلط سے اس ملک کو آزاد کرائیں۔ ان تمام صورتوں میں اگرچہ ظاہر میں ظالم وغاصب کے خلاف اقدام ہوتا ہے، لیکن درحقیقت کافروں کے ظالمانہ وغاصبانہ تسلط کی وجہ سے مغلوب ہوجانے والے دین ہی کو غالب کیا جاتا ہے اور شریعت اور کلمۃ اللہ کا بول بالا ہوتا ہے۔ جس کی ایک واضح مثال سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کی طرف سے فتح بیت المقدس ہے۔ کہ جب انہوں نے ظالم عیسائیوں کے قبضے سے بیت المقدس کو آزاد کرایا تو خود بخود دین ہی کو غلبہ ہوا اور اس کا بول بالا ہوا۔

نیز جب دین کی حفاظت اور اس کے ضمن میں امت مسلمہ کی حفاظت یا جدید اصطلاح میں ''آزادی وخودمختاری'' کا تحفظ ضروری ہے تو اس کے لیے امت کو ازخود بیدار ہونے کی ضرورت ہوگی۔ یہ کوئی خوبی کی بات نہیں کہ مسلمان اتنے غافل اور لاپرواہ ہوجائیں کہ کافروں کو مسلمانوں پر ظلم وستم کرنے اور ان کے ملک پر ظالمانہ قبضے کا حوصلہ ہوجائے اور ان کو یہ طمع بھی ہوجائے کہ مسلمانوں کو دوبارہ کفر میں دھکیل دیں۔ کافروں کو اس کا حوصلہ ہی نہ ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان کافروں کے خلاف مسلسل اقدامی جہاد کرتے رہیں۔

حاصل یہ ہے کہ جو جنگ وقتال غلبہ دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ہو، وہ تو جہاد ہے ہی، لیکن وہ جنگ وقتال جو دفع ظلم کے لیے ہو وہ بھی اس شخص کے حق میں جو دین وشریعت سے مخلص ہے غلبہ دین کے لیے ہی جہاد ہے۔ اس لیے عمار صاحب کی طرف سے جہاد برائے غلبہ دین اور جہاد برائے دفع ظلم کی یہ تقسیم اور دونوں قسموں کو باہم متغائر قرار دینا ہی غیر منطقی اور مہمل ہے، پھر اس کی بنیاد پر جو نظریہ قائم کیا جائے اس کا غلط ہونا محتاج وضاحت نہیں۔ (جاری ہے۔۔۔)

محترم نثار معاویہ صاحب، چکوال
خادم خاص: حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ

حسین یادیں

گوشۂ حیات......قائد اہل سنت، وکیل صحابہ، حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ

دشمنان صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ آپ کا رویہ :

دشمنان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اتحاد یا رواداری کے الفاظ ہی حضرت اقدس کی لغت میں نہیں تھے، بلکہ اہل سنت کے جو علماء اس فتنہ کے لیے اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتے تھے، ان کو بھی سر عام تنقید کا نشانہ بناتے تھے اس سلسلہ میں کسی کا لحاظ نہ تھا اور نہ ہی اس سلسلہ میں کسی مصلحت سے کام لینا گوارہ فرماتے۔

سُنّی کے جنازہ میں شیعہ کی شرکت :

غوث الاعظم حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''غنیۃ الطالبین'' میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ نقل فرمائی ہے جس کا ترجمہ ہے کہ: ''آخر زمانہ میں ایک قوم ہوگی جو میرے صحابہ کو برا کہے گی، پس ان کے ساتھ مل کر نہ بیٹھنا، ان کے ساتھ مل کر نہ کھانا پینا، ان کے ساتھ نکاح نہ کرنا، ان کے ساتھ مل کر نماز نہ پڑھنا اور نہ ان کا نماز جنازہ پڑھنا'' حضرت اقدس نے اپنی ساری زندگی اس حدیث مبارکہ پر عمل پیرا ہو کر ہر مقام پر عملاً اس کا مظاہرہ فرمایا۔

یہ آپ کی نمایاں اور منفرد خصوصیت تھی کہ آپ کسی کی نماز جنازہ پڑھاتے تو نماز سے پہلے اعلان کر دیا جاتا کہ: ''اگر جنازہ میں کوئی دشمن صحابہ رضوان اللہ علیہم (شیعہ) ہے تو وہ نماز جنازہ میں شامل نہ ہو بلکہ الگ ہوجائے۔'' اس سلسلہ میں کسی کی طعن وتشنیع کی بالکل پرواہ نہ فرماتے، نماز جنازہ کے بعد سے میت کی تدفین کے مرحلہ تک جو وقت ہوتا اس میں بیان فرماتے تو اس سلسلہ میں خصوصی وضاحت فرماتے کہ: نماز جنازہ ایک عبادت ہے کوئی رسمی یا رواجی چیز نہیں، اہل سنت نماز جنازہ میں چار تکبیر کہتے ہیں اور شیعہ پانچ تکبیر کے قائل ہیں، شیعہ کے ساتھ کلمہ اسلام سے لے کر نماز جنازہ تک ہر چیز میں اختلاف ہے، پھر وہ کیوں سنی کے جنازہ میں آئیں؟ یا سنی ان کے جنازہ میں کیوں جائے؟ شیعہ کی کتاب ''تحفۃ العوام'' کا حوالہ بھی بیان فرماتے جس میں شیعہ کو ان کے نام نہاد امام کہتے ہیں کہ: ''اگر کسی سنی کا نماز جنازہ پڑھو تو پانچویں تکبیر میں اس کے لیے بد دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کے پیٹ کو جہنم کی آگ اور انگاروں سے بھر دے۔'' حضرت اقدس

فرماتے کہ: کیا آپ یہ گوارا کر سکتے ہیں کہ کوئی آپ کے عزیز پر دعا کی بجائے اس قسم کی بددعا کرے؟
حضرت اقدس کے اس جرأت مندانہ اقدام کی مثال شائد ہی کہیں مل سکے۔ حضرت اقدس جس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے تشریف لے جاتے شیعہ کو معلوم ہوجاتا تو وہ راستہ ہی سے واپس ہوجاتے، تاکہ جنازہ گاہ جا کر ذلت اور رسوائی سے بچ جائیں، شہر میں یہ منظر دیدنی ہوتا شیعہ حضرات رسمی طور پر جنازے کے ساتھ آتے، لیکن اگر مرحوم کے تعلقات حضرت اقدس سے ہونے کا شبہ ہوتا تو جنازہ گاہ پہنچ کر معلوم کرتے کہ جنازہ کس نے پڑھانا ہے؟ یا جنازہ گاہ کی چاردیواری سے جھانک کر دیکھتے، حضرت اقدس کو دیکھ کر وہ وہیں سے واپس ہوجاتے اور نماز جنازہ میں شریک نہ ہوتے۔

حضرت اقدس کے نماز جنازہ پڑھانے سے قبل یہ اعلان کرنے کی سعادت اکثر اس ناچیز خادم کو ہی حاصل ہوتی، ناچیز عموماً اعلان سے قبل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، پہلے عربی کی عبارت پڑھتا اور پھر اس کا ترجمہ بھی بلند آواز سے سناتا اور اس کے بعد مذکورہ اعلان کرتا۔

حضرت اقدس عموماً سورۃ فتح کی آخری آیات میں سے "لِيَغِيظَ بِهِم الكفار" کی جس طرح تفسیر بیان فرماتے، یہ ناچیز یہ اعلان کر کے عملی طور پر عمل پیرا ہونے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا تھا، اسی حوالہ سے یہ حسرت اور خواہش بھی دل میں ہوتی۔

تمنا ہے کہ صحابہؓ حشر میں یہ کہہ دیں اس بندہ سے اک عالم خفا ہمارے لیے تھا

ناچیز گناہ گار اور سیاہ کار کے نامہ اعمال میں روسیاہیوں کے سوا کچھ نہیں، بس اللہ کے فضل کی بناء پر امیدوار ہے کہ یوم محشر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی مقدس جماعت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم شفاعت کی سفارش فرمادیں تو شاید جان چھوٹ جائے۔ الحمدللہ حضرت اقدس کی وجہ سے کبھی بھی کسی کو اس سلسلہ میں کوئی بات کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اگر یہ اعلان شرعی طور پر غلط ہوتا یا اس میں کوئی قباحت ہوتی تو حضرت اقدس ضرور اس سے روک دیتے، لیکن ہر مرتبہ اس موقع پر درس کے دوران اس کے دفاع میں ہی بیان فرماتے تھے۔

ایک استفتاء اور حضرتؒ اقدس کا جواب

سنی کے جنازے میں شیعہ کی شرکت کے حوالے سے حضرت اقدس سے تحریری استفسار کیا گیا تو آپ نے اس کا مفصل جواب تحریر فرمایا:

> کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ شیعہ مذہب کے فرقوں خصوصاً اثنا عشریہ کے بارے میں کہ ان کی نماز جنازہ میں شریک ہونا یا ان کو اپنی نماز جنازہ میں شریک کرنا ازروئے شرع جائز ہے یا نہیں......؟ المستفتی......قاری عبدالرشید عفی عنہ

الجواب ۱......شیعہ اثنا عشریہ کا کلمہ اسلام یہ ہے لاالـه الاالـله محمدرسول الله علی ولی اللـه وصی رسول الله و خلیفته بلا فصل یہ کلمہ اسلام نہ حضرت محمد ﷺ نے پڑھایا ہے اور نہ صحابہ کرام اور نہ اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم نے پڑھا ہے اور نہ یہ کلمہ اولیائے امت نے پڑھا ہے، سنی مسلمانوں کا اور ساری امت مسلمہ کا کلمہ اسلام وایمان یہ ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ جس میں صرف توحید ورسالت کا اقرار ہے۔

۲......اہل سنت اپنی اذان میں اشهـد ان لا اله الا الله اور اشهـد ان مـحمد رسول الله کا اقرار واعلان کرتے ہیں لیکن شیعہ اسکے بعد اشهـد ان عـليـا ولی الله وصی رسول الله و خليفته بـلا فـصـل کا بھی اعلان کرتے ہیں اور اس کو اذان کی جز قرار دیتے ہیں، حالانکہ رحمۃ اللعالمین خاتم النبیین ﷺ نے اذان میں ان کلمات کی تعلیم نہیں دی اور نہ ہی صحابہ کرام اور اہل بیت نے ان الفاظ کا اذان میں اقرار واعلان کیا ہے، رسول پاک ﷺ کے وقت سے لے کر آج تک حرم شریف (بیت اللہ) اور مدینہ منورہ میں (مسجد نبوی میں) جو اذان دی جارہی ہے اس میں صرف اشهـد ان الااله الا الله اور اشهدان محمد رسول الله کا اقرار واعلان کرتے ہیں۔

۳......کلمہ واذان میں خليفته بلا فصل سے شیعہ یہ اعلان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پہلے خلیفہ حضرت علی ہیں، جن سے پہلے تین خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم کی خلافت کا انکار کرتے ہیں، حالانکہ یہ تینوں حضرات حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے پہلے ہوئے ہیں اور حضرت علی المرتضی ان کے بعد چوتھے نمبر پر خلیفہ بنے ہیں اور یہ چاروں خلیفے اہل السنّت والجماعت کے نزدیک برحق اور جنتی خلیفہ ہیں۔

۴......شیعہ اثنا عشریہ ان پہلے تین خلفائے راشدین کو مومن بھی نہیں مانتے بلکہ ان کو بے ایمان اور منافق مانتے ہیں (العیاذ باللہ) چنانچہ پاکستان میں چھپی ہوئی اردو شیعہ کتابوں کی عبارتیں حسب ذیل ہیں انجمن حیدری چکوال (بھون روڈ) نے ایک کتاب تجلیات صداقت شائع کی ہے جس کے مصنف ایک شیعہ مجتہد مولوی محمد حسین ڈھکو مقیم سرگودھا ہیں، اس کتاب کے ص ۲۰۱ پر وہ اہل سنت اور شیعوں کے عقیدہ کا (ان پہلے تین خلفاء کے بارے میں) فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہمارے اور ہمارے برادران اسلامی میں اس سلسلہ میں جو کچھ نزاع ہے وہ صرف اصحاب ثلثہ کے بارے میں ہے اہل سنت ان کو بعد از نبی تمام اصحاب وامت سے افضل جانتے ہیں اور ہم ان کو دولت ایمان وایقان اور اخلاص سے تہی دامن جانتے ہیں۔''

(ب) اس کتاب کے ص ۲۰۶ پر لکھا ہے:

''جناب امیر (یعنی حضرت علی) خلافت ثلثہ کو غاصبانہ جابرانہ اور خلفائے ثلثہ کو گناہ گار

غدار خیانت کار ظالم وغاصب اور اپنے آپ کو سب سے زیادہ خلافت نبویہ کا حقدار سمجھتے تھے۔''

(ج) جناب علی ایسے ڈرپوک اور کمزور تھے کہ اپنا دفاع بھی نہ کر سکتے تھے۔(ایضاً ص ۱۶۴)

(د) حضرت عائشہ صدیقہ اور رسول پاک ﷺ کی دوسری پاک بیویوں کو اہل السنّت والجماعت حکم خداوندی (وازواجہ امھاتھم) اپنی مومن مائیں مانتے ہیں، لیکن شیعہ ان کو بے ایمان مانتے ہیں (العیاذ باللہ) چنانچہ مذکورہ کتاب ص ۴۷۸ پر لکھا ہے:

''باقی رہا مولف کا یہ کہنا کہ عائشہ مومنوں کی ماں ہے، ہم نے ان کے ماں ہونے کا انکار کب کیا ہے، مگر اس سے ان کا مومنہ ہونا تو ثابت نہیں ہوتا، ماں ہونا اور ہے اور مومنہ ہونا اور ہے۔''

علاوہ ازیں ایک دوسرے شیعہ مجتہد مولوی غلام حسین نجفی فاضل عراق نے ایک کتاب ''سہم مسموم فی جواب نکاح ام کلثوم'' لکھی ہے، جس میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے:

(ا) جناب عمر کو لقب فاروق یہودیوں نے عطا کیا تھا۔(ص ۴۲)

(ب) جناب عمر کا موجودہ قرآن پاک پر ایمان نہ تھا۔(ص ۴۲)

جناب عمر نبی کی بیویوں پر آوازے کستا تھا جبکہ وہ رات کے وقت رفع حاجت کے لئے مدینے سے باہر جاتی تھیں۔(ص ۴۳۸)

جناب عمر شراب حرام ہونے کے بعد بھی شراب پیتے رہے جناب عمر کی دنیا سے جاتے وقت آخری غذا شراب تھی۔(ص ۴۳۰) اور جناب عمر جہنم کا تالا ہے۔(ص ۴۳۰)

اور جناب عمر اپنی بیوی سے غیر فطری طریقے سے ہم بستری کرتا تھا۔(۴۳۲)

اس ہی شیعہ مصنف غلام حسین نجفی لاہور نے ایک دوسری کتاب ''قول مقبول فی اثبات وحدت بنت رسول'' میں تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے:

''عثمان نے پہلی بیوی رقیہ کو قتل نہیں کیا تھا بلکہ دوسری بیوی ام کلثوم کو اذیت جماع سے مار ڈالا تھا، اور پھر خالد بن ولید کی طرح اس کے مردہ سے ہم بستری کرتا رہا، تاریخ اور پوری دنیا میں یہ پہلا خلیفہ ہے جس نے شرم وحیا کا بارڈر توڑ کر اپنی بیوی کے مردہ سے ہم بستری کی ہے۔''(ایضاً ۴۳۲)

ایک اور شیعہ مجتہد حسین بخش جاڑا نے ایک کتاب ''مناظرہ بغداد'' شائع کی ہے، جس میں پہلے تین خلفائے راشدین کے متعلق لکھا ہے کہ:

''شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ لوگ (ثلثہ) دل وجان سے مومن نہیں تھے ظاہراً زبانی طور پر وہ اسلام کا اظہار کرتے تھے۔(ص:۵۷) مکتبہ انوار النجف دریا خان میانوالی

(ب) اس مناظرہ بغداد کے میں اسلام کے جرنیل اعظم حضرت خالد بن ولید کے متعلق لکھا ہے:

''خالد نے مالک ابن نویرہ کی بیوی کو دیکھا تو وہ چونکہ حسین تھی پس اسی رات اس کے ساتھ زنا کیا اور اس ظالم خالد نے مالک اور اس کی قوم کے دوسرداروں کے سر چولھے کی اینٹوں کی جگہ رکھ کر اوپر دیگ چڑھا دی اور اس زنا کا ولیمہ تیار کیا اور خود بھی کھایا اور فوج کو بھی کھلایا۔''(ص:۱۰۰)

(ج)اوراس کتاب میں یہ لکھا ہے کہ: ''خالد سیف اللہ نہیں سیف الشیطان تھا۔(العیاذ باللہ)

الحاصل جب شیعہ کا کلمہ جدا، اذان جدا، وضو نماز اور جنازہ جدا ہے اور حضرات خلفائے راشدین اور صحابہ کرام اور امہات المومنین کے متعلق ان کے مذکورہ نظریات ہیں (جو ان کے موجودہ شیعہ مجتہدین کی کتابوں میں شائع ہیں) تو پھر سنی اور شیعہ پنجوقتہ نمازوں اور نماز جنازہ میں کیونکر شریک ہو سکتے ہیں؟ جب سنی اور شیعہ مذہب کی بنیادیں جدا جدا ہو گئیں تو مذہب بھی بالکل ایک دوسرے سے جدا ہو گئے، ہم اہل السنّت والجماعت تو حضور رحمۃ اللعالمین شفیع المذنبین حضرت محمد رسول ﷺ کے چاروں خلفائے راشدین صحابہ کرام امہات المومنین اور اہل بیت رضی اللہ عنہم اجمعین کو جنتی مانتے ہیں، حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کو جنت کے نوجوانوں کا سردار مانتے ہیں، رسول پاک ﷺ کی چاروں صاحبزادیوں کو جنتی مانتے ہیں، ہم ان میں سے کسی کی بھی توہین نہیں کرتے، لیکن شیعہ فرقہ کے لوگ خلفاء صحابہ کرام اور ازواج مطہرات کی سخت بدگوئی کرتے ہیں، جیسا کہ ان کی عبارتیں بطور نمونہ پہلے لکھ دی ہیں۔

۵......محبوب سبحانی غوث اعظم حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تو صدیوں پہلے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں رسول پاک ﷺ کی ایک یہ حدیث درج فرمائی ہے کہ میرے اصحاب کو گالی نہ دو! پس جس نے میرے اصحاب کو گالی دی اس پر خدا کی لعنت ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: پیغمبر ﷺ نے فرمایا ہے کہ: خداوند کریم نے مجھ کو چن لیا ہے اور پسند کیا ہے اور میرے واسطے میرے یار بھی چن لئے ہیں اور پسند کر لئے ہیں اور ان کو میرا مددگار بنایا ہے اور ان کو میرے سسر اور رشتہ دار بنایا اور اخیر زمانہ میں ایک ایسا گروہ پیدا ہوگا کہ وہ اصحاب کے رتبہ کو کم کریگا، خبردار تم ان کے ساتھ ہرگز کھانا پینا نہیں ہرگز ان کے ساتھ نکاح کرنا کرانا نہیں اور ان کے ساتھ نماز بھی نہ پڑھنی اور ان پر نماز جنازہ بھی نہ پڑھنی اور ان پر لعنت کرنی حلال ہے۔(غنیۃ الطالبین، اردو ص ۱۲۰)

استفتاء کا یہی جواب ہے جو رسول کریم ﷺ کی حدیث میں واضح ہے اور یہی عقیدہ اور عمل غوث اعظم حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔

والسلام خادم اہل سنت مظہر حسین غفرلہ

خطیب مدنی جامع مسجد چکوال و امیر تحریک خدام اہل سنت پاکستان

۱۳ جمادی الاولی ۱۴۰۷ ہجری......مطابق ۱۴ جنوری ۱۹۸۷

جو صحابہ رضی اللہ عنہم کا نہیں......وہ ہمارا نہیں:

حضرت اقدس اس ضمن میں عموماً فرمایا کرتے تھے کہ دوستی اور تعلقات کا معیار دین کی بنیاد پر ہونا چاہیے، آپ فرماتے تھے سگے بھائیوں یا برادری میں دنیاوی معاملات میں اختلاف ہو جائے تو وہ ایک

دوسرے کی خوشی یا غمی کی تقریبات میں شریک ہونا نہایت معیوب سمجھتے ہیں اور اس وجہ سے آپس میں مکمل بائیکاٹ کرتے ہیں، لیکن اگر کوئی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو بُرا کہے یا ان کے عیوب بیان کرے تو پھر اگر سینے میں ایمان کی حرارت ہو تو وہ کیسے اُن کے ساتھ تعلقات اور رَواداری کو گوارہ کر سکتا ہے؟ حضرت اقدس ایسے طرزِ عمل کو بے حسی، بے غیرتی اور ایمان کی کمزوری کی علامت قرار دیتے، اور فرماتے: ہمارے لیے تو تعلقات اور دوستی کا معیار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی مقدس جماعت ہی ہے،

''جو صحابہ رضی اللہ عنہم کا نہیں وہ کبھی بھی ہمارا نہیں ہوسکتا۔''

شیعہ کو اہل سنت کی مساجد میں انفرادی نماز کی اجازت نہ دینے کی وجہ :

حضرت اقدس اپنی مساجد میں دُشمنانِ صحابہ کو اِنفرادی طور پر نماز پڑھنے سے بھی روکنے کا فرماتے تھے، اس حوالہ سے امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ بیان فرماتے تھے کہ ہندوستان کے شہر بنارس میں اہل سنت نے شیعہ کو انفرادی طور پر بھی مسجد میں نماز پڑھنے سے روک دیا، چونکہ وہ انگریز کی حکومت کا دور تھا، شیعوں نے عدالت سے رجوع کیا کہ یہ ہمیں مسجد میں نماز پڑھنے سے روکتے ہیں، جج نے دونوں فریقوں کو عدالت میں طلب کیا، اہل سنت کی طرف سے امام اہل سنت مولانا عبدالشکور رحمۃ اللہ علیہ پیش ہوئے، بحث کے دوران جج نے امام اہل سنت سے کہا کہ: مولانا! مسجد آپ (اہل سنت) کی، انتظام آپ کا، اذان اور جماعت آپ کی، لیکن اس میں کیا حرج ہے کہ آپ کی نماز کی جماعت کے بعد کوئی شیعہ مسجد کے ایک گوشہ میں ہاتھ کھول کر اپنی انفرادی نماز پڑھ لے......؟

حضرت امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: جناب! بات ہاتھ باندھنے یا کھولنے کی نہیں، بات یہ ہے کہ شیعہ کتب میں لکھا ہے کہ:

''تم اس وقت تک نماز کے بعد نماز کی جگہ سے نہ اٹھو جب تک حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین یاروں (حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم) اور دو بیویوں (حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ) پر لعنت نہ بھیج لو!''

جب یہ بات ہمیں معلوم ہے کہ: نماز کے بعد ہماری ان محترم شخصیات پر یہ ایسا عمل کرتے ہیں تو پھر ہم کس طرح گوارہ کر سکتے ہیں کہ انہیں اس کی خود اجازت دیں؟ حضرت امام اہل سنت نے شیعہ کی اصل کتاب سے حوالہ نکال کر کتاب جج کے سامنے رکھ دی۔ جج نے شیعہ علماء سے دریافت کیا کہ کیا یہ تمہاری کتاب ہے؟ انہوں نے اقرار کیا کہ یہ ہماری کتاب ہے، مذکورہ حوالہ دیکھ کر اس جج نے (ناچیز کے ذہن سے محو ہو گیا ہے کہ حضرت اقدس نے کیا فرمایا تھا کہ جج ہندو تھا یا انگریز) شیعوں کا مقدمہ خارج کر دیا۔

☆......☆......☆......☆

مولانا احسان اللہ شائق

جاندار کی تصاویر...... اور...... ہماری کوتاہیاں

آج کے دور میں جاندار کی تصویر کشی نے ایک وبا کی شکل اختیار کر لی ہے۔ گھروں، دکانوں، چوراہوں پر بڑی بڑی مورتیاں نصب ہیں، بچے بڑے ان کو دیکھ کر دل بہلاتے ہیں، سیاسی لیڈروں کی تصویریں چوراہوں، دفتروں اور دیگر نمایاں مقامات پر لٹک رہی ہوتی ہیں، ہر سیاسی لیڈر کی خواہش ہوتی ہے کہ نمایاں مقامات پر میری قد آدم تصویر لٹکی ہوئی ہو۔

اسی طرح تجارتی کمپنیوں کے اشتہارات کی شکل میں خواتین کی ننگی تصویریں بھی چوراہوں اور بجلی کے کھمبوں پر لٹک رہی ہوتی ہیں، پھر اخبارات اور رسائل میں بھی تصویروں کی بھرمار ہوتی ہے، اس کے علاوہ شادی بیاہ اور دیگر خوشی کی تقریبات میں مووی ویڈیو وغیرہ کے ذریعہ یادگار تصویریں اور پھر ہر شخص کی ذاتی یادگار، نیز ٹی وی اور انٹرنیٹ کے اسکرین پر نمودار ہونے والی تصویریں، اس سے بڑھ کر موبائل فون کے ذریعہ تصویریں، غرض یہ کہ قدیم وجدید دونوں طریقوں سے تصویر کشی کا عمل جاری ہے، کفار سے تو کیا شکایت کرتے یہ سب کچھ مسلمانوں میں ہی ہو رہا ہے، رفتہ رفتہ مسلمانوں کے دلوں سے تصویر کی قباحت ہی نکل گئی، بلکہ آج کے دور میں اگر کوئی تصویر کشی پر نکیر کرے تو اس کو بے وقوف سمجھا جانے لگا ہے کہ یہ قدیم ذہنیت کا آدمی ہے، دنیا کہاں سے کہاں ترقی کر گئی یہ ابھی تک تصویر کی حرمت کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔

میرا مقصد اس وقت یہ ہے کہ تصویر کی حرمت کے متعلق سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس کا کچھ خلاصہ قارئین کے سامنے پیش کیا جائے تا کہ ٹھنڈے دل سے سوچ کر اس کبیرہ گناہ سے اجتناب کیا جا سکے اور سابقہ گناہوں سے سب مل کر توبہ کریں۔ چنانچہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتے ہوں یا جس گھر میں تصویر ہو۔'' [بخاری ومسلم]

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''تصویر بنانے والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ جو تصویریں تم نے بنائی ہیں ان میں جان ڈالو اور ان کو زندہ کرو۔

اور ارشاد فرمایا کہ: جس گھر میں تصویر ہوتی ہے، اس گھر میں فرشتے نہیں ہوتے۔'' [بخاری ومسلم]

تصویر سازی کا گناہ اس لیے بھی بڑا گناہ ہے کہ اس میں صفتِ تخلیق میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا ہے، جو اللہ تعالیٰ کو بہت ہی ناپسند ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے شرک سے بیزار ہے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ: ''قیامت کے دن سب لوگوں سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔'' [بخاری ومسلم]

اسی وجہ سے علماء کرام نے تصویر کشی کے پیشہ کو حرام قرار دیا اور اس کی آمدن کو بھی حرام آمدن میں شمار فرمایا، اس سے بچنے کی تاکید فرمائی اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تصویر سے سخت نفرت تھی اور جبرائیل علیہ السلام کو بھی نفرت تھی، اللہ تعالیٰ کو بھی نفرت ہے۔ اب ایمان کا کیا تقاضا ہے؟ کیا تصویر سے دل بہلایا جائے یا وعیدوں کو دیکھتے ہوئے اس سے اجتناب کیا جائے؟ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل تھا کہ گھر میں کسی بھی تصویر والی چیز کو نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں ایسی کوئی چیز نہ چھوڑتے تھے، جس پر تصویر ہو، یعنی آپ خود اس کو توڑ ڈالتے تھے۔ [بخاری]

اب ہر مومن کی ذمہ داری ہے کہ وہ غور کرے سوچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو تصویر سے اتنی نفرت تھی کہ گھر میں تصویر والی کوئی چیز نہیں چھوڑتے تھے۔ اپنے ہاتھ سے ضائع فرمادیتے تھے اور ہمارا کیا معاملہ ہے؟ ہمیں کس قدر نفرت ہونی چاہیے تھی اور کس قدر ہے؟

بعض حضرات کو یہ اشکال ہوتا ہے کہ بازار میں اکثر چیزوں پر تصویر ہوتی ہے اب ہم کیا کریں، اس بارے میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: چیز گھر لانے کے بعد استعمال سے پہلے تصویر کے چہرے پر قلم پھیر دیں۔ اسی طرح اخبارات وغیرہ میں جو تصویریں ہیں پہلے چہرہ مٹائیں پھر مطالعہ کریں۔ اسی طرح اسکول کی کتابوں پر جو تصویریں بنی ہوتی ہیں پہلے ان پر بنی ہوئی تصویروں کے چہرے مٹادیں پھر بچوں کو دیں۔ اور ساتھ ہی استغفار بھی کرتے رہیں۔

اسی طرح شہر میں بڑے بڑے سائن بورڈوں پر جو تصویریں ہوتی ہیں ان سے بھی نظر بچانے کی کوشش کریں کہیں نظر پڑ جائے تو فوراً نظر ہٹالیں اور استغفار بھی کریں اور یہ اشکال یہ بھی ہوتا ہے کہ بہت سے مواقع میں دل نہ چاہتے ہوئے تصویر کا استعمال لازمی ہوتا ہے، شناختی کارڈ یا پاسپورٹ وغیرہ تو فرمایا کہ: ان کا گناہ تو اصل ان پر ہے جنہوں نے تصویر کے استعمال کو لازم قرار دیا۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ دل میں نفرت وکراہت کو برقرار رکھیں۔ خود اپنی طرف سے نمائش نہ کریں، جہاں ضرورت ہو وہاں استعمال کریں، ساتھ استغفار بھی کریں۔ اس طرح امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مواخذہ نہیں فرمائیں گے۔ اسی طرح اپنے گھر کے افراد کے دلوں میں بھی تصویر سے نفرت بٹھانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ وقتاً فوقتاً اس پر وارد ہونے والی وعیدیں ان کو سناتے رہیں۔ اس طرح ان شاء اللہ اس خطرناک گناہ سے معاشرہ کو نجات مل سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ☆☆☆☆ (بشکریہ روزنامہ اسلام)

احسن خدامی

ماہنامہ ''حق نوائے احتشام'' کی افسوسناک جسارت

نحمده و نصلي علی رسوله الكريم.... اما بعد..!

جناب رسول اللہ ﷺ نے قیامت کی نشانیاں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

لعن آخر هذه الامة اولها

یعنی قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ ''اس امت کے آخر کے لوگ پہلے لوگوں پر لعنت کریں گے'' زمانۂ ماضی میں بہت سے کم نصیب لوگ اکابر علمائے کرام، ائمہ مجتہدین اور صحابہ کرامؓ پر طعن و تشنیع کر کے اس پیشین گوئی کا مصداق بنتے رہے۔ یہ سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔ افسوس صد افسوس کہ انہیں محروم القسمت لوگوں کی فہرست میں شامل ہوتے ہوئے کراچی سے شائع ہونے والے رسالہ ''حق نوائے احتشام'' کے جون ۲۰۱۳ء کے شمارہ میں اکابر علمائے حق، امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، محدثِ کبیر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ، اور حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ وغیرہ کی سخت توہین و تنقیص کی گئی ہے۔ یہ رسالہ مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی یاد میں، اور مولانا تنویر الحق تھانوی کی سرپرستی میں نکلتا ہے۔ اکابر علمائے حق اور بزرگانِ دین پر جس طرح اس رسالے کے مذکورہ شمارے میں زہر اگلا گیا ہے اس کو پڑھ کر بار بار زبان پر انا لله و انا اليه راجعون کا وِرد جاری ہے۔ اگرچہ مذکورہ رسالہ کی عبارات سخت دل خراش اور جذبات کو ٹھیس پہنچانے والی ہیں تاہم بامرِ مجبوری مجلّہ ''صفدر'' کے قارئین کی خدمت میں اس کے چند اقتباسات کو پیش کیا جاتا ہے شائد ہماری طرح وہ بھی پکار اٹھیں کہ

اے ہمنشیں! نہ پوچھ، کہ کیسے ستم سہے
ہاتھوں سے ان کے، ہم بھی جنہیں مہرباں کہیں

''حق نوائے احتشام'' کے مضمون نگار (جناب عبدالمنان شاہد جن کے نمایاں حالاتِ زندگی یہ ہیں کہ سنیت کے لبادہ سے نکل کر شیعہ ہو گئے تھے اور اپنے بھانجے سمیت ایران چلے گئے، دو سال بعد وہاں سے واپس تشریف لا کر شیعیت کے اثبات اور اصحابِ رسول اللہ ﷺ کی تنقیص پر مبنی کتابیں لکھیں، اس وقت اپنے اعمال کا حساب لے کر مالکِ کائنات کی بارگاہ میں پہنچ چکے ہیں، ماہنامہ ''حق نوائے احتشام'' والوں کا ان کو ''مولانا'' لکھنا اور ان کی تحریر سے اکابر اہل السنة والجماعة کے خلاف توہین و تنقیص کا بازار گرم کرنا بھی ایک لمحۂ فکریہ ہے۔) پہلے حضرت لاہوریؒ، حضرت بنوریؒ اور حضرت مفتی محمودؒ پر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ انہوں

نے نعوذ باللہ یہ دعویٰ کیا تھا کہ پاکستان کی حمایت کی پاداش میں حضرت تھانویؒ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ پر عذاب ہو رہا ہے، پھر اس بے سر و پا اور بے بنیاد دعویٰ کی بنیاد پر ان اکابرینِ امت پر سب و شتم کا بازار گرم کرتے ہیں، چنانچہ مولانا احتشام الحق تھانوی کے ایک مکتوب کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مولانا مرحوم (مولانا احتشام الحق تھانوی) نے اپنے اس مراسلہ میں مفتی محمود اور مولانا یوسف بنوری کی اس متعصّبانہ ذہنیت کا بھی حوالہ دیا ہے جس کے تحت ان دونوں حضرات نے حضرت حکیم الامت علامہ اشرف علی تھانوی اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کے بارے میں یہ ہرزہ سرائی کی کہ ان بزرگانِ ملت کو پاکستان کی حمایت کی پاداش میں قبر کا عذاب ہو رہا ہے۔'' (ص ۱۱۳)

حضرت بنوری اور حضرت مفتی محمود پر یہ الزام لگانے کے بعد اس الزام کا رخ امام الاولیاء حضرت لاہوریؒ کی ذاتِ اقدس کی طرف موڑتے ہوئے لکھتے ہیں:

''کانگریسی علماء کے سرخیل پاکستان میں مولانا احمد علی لاہوری تھے جنہیں کشفِ قبور کا دعویٰ تھا، اور وہ یہ دعویٰ اپنی ہفتہ وار مجلسِ ذکر میں بھی اور روزانہ بعد از نمازِ فجر کے اپنے درسِ قرآن میں بھی عموماً کرتے رہتے تھے، یہ ان کی پروپیگنڈا تکنیک تھی جس کے ذریعے وہ اپنے حلقۂ ارادت میں توسیع کے خواہاں تھے اور اس میں وہ خاصے کامیاب تھے۔'' (ص ۱۱۳)

آگے فرماتے ہیں:

''تو اس قسم کی اطلاعات مفتی محمود اور یوسف بنوری کے بس کا روگ نہیں تھیں، یہ مولانا احمد علی لاہوری کے دماغ کی ایجاد تھیں۔'' (ص ۱۱۴)

آگے لکھتے ہیں:

''اے کاش کشفِ قبور کی صلاحیت رکھنے والے ان علماء میں اتنی اخلاقی جرأت ہوتی کہ نجی مجلسوں میں اس قسم کے ہذیانات بکنے کی بجائے وہ ان خیالات کو اخبارات میں شائع کراتے۔'' (ص ۱۱۴)

مزید فرماتے ہیں:

''بہرحال اس امر کا کریڈٹ مولانا احتشام الحق تھانوی کو جاتا ہے کہ انہوں نے مفتی محمود اور مولانا یوسف بنوری پر یہ الزام اخبارات کے صفحات پر لگایا اور دونوں میں سے کسی کو بھی اس کا جواب دینے کا حوصلہ نہ ہوا، مجرم ضمیر کی یہ خاموشی اس الزام کی صحت پر مہرِ تصدیق ثبت کرتی ہے۔'' (ص ۱۱۴)

جہاں تک قائدِ اعظم کی بات ہے کہ حضرت لاہوریؒ نے اس کے جہنمی ہونے کا ذکر فرمایا ہو تو یہ بات عین ممکن اور کسی حد تک قابلِ تسلیم ہے۔ لیکن ''حق نوائے احتشام'' کا یہ دعویٰ، کہ حضرت لاہوریؒ نے نعوذ باللہ حضرت تھانویؒ یا حضرت شبیر احمد عثمانی کو جہنمی قرار دیا ہے، ایک سو ایک فیصد جھوٹا اور بہتان بازی پر مبنی ہے۔ اگر ماہنامہ ''حق نوائے احتشام'' والوں میں جرأت ہے تو کسی بھی نقلِ صحیح سے اپنے اس جھوٹے

دعوی کو ثابت کر کے دکھائیں، حضرت لاہوریؒ کے تو مرشد حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ کو حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے اتنی عقیدت تھی کہ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اپنے دین پور شریف کے سفر، حضرت دین پوریؒ کی زیارت اور بیعت کا قصہ خود تحریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''جس وقت رخصت ہونے لگا تو فرمایا ''ان کو سلام کہ دینا''۔ میں نہیں سمجھا کہ اشارہ کس طرف ہے، صاحبزادہ میاں عبدالہادی صاحب پاس سے گذر رہے تھے، انہوں نے تشریح فرمائی کہ مولانا اشرف علی تھانویؒ کو، مولانا کا نام سنتے ہی خلیفہ صاحب پر رقت طاری ہوگئی، اس سے اس تعلق کا اندازہ ہوتا ہے جو ان دونوں بزرگوں کے درمیان تھا، مجھے معلوم ہوا کہ مولانا تھانوی ایک مرتبہ کراچی سے آتے ہوئے خلیفہ صاحب کی زیارت اور ملاقات کیلئے دین پور ٹھہرے تھے۔'' (پرانے چراغ ص ۱۵۰)

کیا یہ تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ انہی حضرت دین پوریؒ کے خلیفۂ اجل حضرت لاہوریؒ نعوذ باللہ حضرت تھانویؒ کو جہنمی قرار دیں......؟؟؟

''حق نوائے احتشام'' کے مضمون نگار اکابر علمائے کرام کی پگڑیاں اچھالنے کے اپنے اس ناروا طرزِ عمل کی بزعمِ خویش دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ممکن ہے کچھ لوگ تاریخ نگاری کے اس اسلوب کو پسند نہ کریں یا اسے ایک نیا اور تلخ تجربہ سمجھ کر اس پر ناک بھوں چڑھائیں مگر میری دیانت دارانہ رائے یہ ہے کہ اگر مولانا احتشام الحق تھانوی کے مقام کی عظمت کا تعین کرنا ہے تو ضیاء الحق، مودودی اور مفتی محمود کا کچا چٹھا پیش کئے بغیر چارہ نہیں''۔ (ص ۱۱۱)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے بارے میں مولانا احتشام الحق تھانوی صاحب کے ایک خط کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''مگر اس کے باوجود مفتی محمد شفیع نے مودودی سے اپنی ساز باز اور وابستگی قائم کی اور صرف مودودی کو تحفظ دینے کیلئے جمعیۃ علمائے اسلام کو پہلے معطل رکھا پھر مفتی محمود کے حوالے کر دی۔'' (ص ۱۰۷)

آگے لکھتے ہیں:

''مرکزی جمیعت کے ذریعے مفتی محمود کا کافی زور ٹوٹا مگر ہمارے تمام ساتھی در پردہ مفتی شفیع کی وساطت سے جماعت اسلامی کے ایجنٹ نکلے۔'' (ص ۱۰۷)

مولانا احتشام الحق تھانوی کے مکتوب کے مندرجہ بالا اقتباسات پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے مضمون نگار لکھتے ہیں:

''مفتی شفیع صاحب کا جماعت اسلامی کے ہاتھوں میں کھیلنا اور قاری طیب صاحب کا دارالعلوم

کے صد سالہ اجلاس میں اندرا گاندھی کو مدعو کرنا یقیناً حضرت حکیم الامت علامہ تھانوی کے مسلک و تربیت سے برملا انحراف تھا۔'' (ص۱۰۹)

دلچسپ بات ہے کہ اس عبارت کے نیچے مولانا تنویر الحق تھانوی کا نوٹ درج ہے کہ یہ عبارت اور اس کا انداز نامناسب ہے اور خاندانِ احتشامیہ کا کوئی فرد اس کی حوصلہ افزائی نہیں کر سکتا، نامعلوم اس کے باوجود بھی اس ناروا عبارت کو شائع فرما دینے میں ''خاندانِ احتشامیہ'' کے کیا مصالح پوشیدہ ہیں؟؟

امیر شریعت، پروانۂ ختم نبوت حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی قیادت میں مسلمانانِ پاکستان نے ۱۹۵۳ء میں جو عظیم الشان تحریکِ ختمِ نبوت چلائی جو آگے چل کر ۱۹۷۴ء کی تحریک کا پیش خیمہ بنی، اور جس میں ہزاروں جانثارانِ ختمِ نبوت نے آقائے نامدار کی ختمِ نبوت پر پروانہ وار جانیں نچھاور کیں، ''حق نوائے احتشام'' کے فاضل مضمون نگار مسلمانانِ پاکستان کی اس عظیم الشان تحریک کے بارے میں یوں گل فشانی فرماتے ہیں:

''تحریکِ ختمِ نبوت بظاہر قادیانیوں کے خلاف اور سر ظفر اللہ کو وزیر خارجہ کے اہم منصب سے ہٹانے کی غرض سے چلائی گئی تھی، لیکن یہ دراصل ایک بے دین، بے کردار اور مولانا بدر عالم میرٹھی کے الفاظ میں '' ازنی الخلق تحت السماء '' غلام محمد گورنر جنرل پاکستان کے ایماء پر پنجابی ٹولہ کی، جس میں دولتانہ صاحب، گورمانی صاحب، اور ان کے دوسرے ساتھی شامل تھے خواجہ ناظم الدین جیسے متقی وزیرِ اعظم کو ہٹانے اور مشرقی پاکستان کے رہنماؤں کو ملک میں ذلیل وخوار کرنے کی ایک سازش تھی جس میں علماء کو شعوری اور غیر شعوری طور پر استعمال کیا گیا۔'' (ص۹۰)

شیخ التفسیر، امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوری کی قیادت میں علمائے حق نے اسلامی نظام کے نفاذ کیلئے جو تحریکِ نظامِ مصطفیٰ چلائی جس میں وطنِ عزیز پاکستان کے کونے کونے سے اسلام کے فرزندوں نے حصہ لیا، ظالم حکمرانوں کے خلاف کلمۂ حق بلند کیا، زندانوں کو آباد کیا، دار و رسن کو چوما، اس وقت کے جید علمائے کرام میدانِ عمل میں اتر کر اس تحریک میں شریک ہوئے اور قربانیوں کی داستان رقم کی، مگر فاضل مضمون نگار اس تحریک کے بارے میں گوہر افشانی فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس کو خلافتِ راشدہ اور نظامِ مصطفیٰ کی تحریک کا نام دیا گیا حالانکہ قتل وغارت گری، آتش زنی، توڑ پھوڑ، گالی گفتار، بے محابا عورتوں کے جلوس اور عام دہشت گردی کے مظاہرے صاف بتلا رہے تھے کہ یہ سب کچھ نظام کی تبدیلی کیلئے نہیں صرف نظام چلانے والے ہاتھوں کی تبدیلی کیلئے ہو رہا ہے۔'' (ص۱۰۷)

مجاہدِ ملت حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ اور حضرت مفتی محمود صاحبؒ کے بارے میں مزید ہرزہ

سرائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جس (جمعیۃ علمائے اسلام) کو شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی نے ۱۹۴۵ء میں تحریکِ پاکستان اور نظریہ پاکستان کی حمایت کیلئے قائم کیا تھا اور اور جس کے ذریعے کانگریسی علماء کی تنظیم جمعیۃ علمائے ہند کے دینی وسیاسی اثر ورسوخ کا مسلمانوں کے حلقے میں قلع قمع کر دیا گیا تھا، اس جماعت کے شاندار ماضی کو برباد کرنے اور اس کے روشن کردار کو مسخ کرنے کی کوشش علماء کے ایک ایسے رسوائے زمانہ ٹولے نے کی جو ہمیشہ سے پاکستان کا مخالف رہا تھا، نام نہاد علماء کے اس ٹولہ کی قیادت مولوی غلام غوث ہزاروی اور اور مفتی محمود کر رہے تھے اور اس جماعت کے سٹیج سے (جو قیامِ پاکستان کی جدو جہد میں پیش پیش تھی) علانیہ سوشلزم کا پرچار ہونے لگا۔ (ص ۱۱۵)

مزید فرماتے ہیں:

''مولانا شبیر احمد عثمانی کے وصال کے بعد مولانا ظفر احمد عثمانی، مفتی محمد شفیع اور مولانا احتشام الحق تھانوی کے مقابلے میں مولانا احمد علی لاہوری اور ان کے حاشیہ برداروں نے، جو کٹر کانگریسی ذہن کے حامل تھے، یہاں کی دینی سیاست پر غاصبانہ قبضہ کر لیا اور وہ جمعیۃ علمائے اسلام جو کانگریسی علماء کے اثر ورسوخ کو کم کرنے اور ان کی ہندو نواز حکمتِ عملی کو مٹانے کیلئے وجود میں آئی تھی اس کے مالک و متصرف وہی کانگریسی علماء بن گئے۔'' (ص ۱۲۰)

مزید لکھتے ہیں:

''لیکن جمعیۃ علمائے اسلام کے اس روشن کردار کو مسخ کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی اور مولانا احمد علی لاہوری، مولانا غلام غوث ہزاروی اور مفتی محمود جیسے لوگوں نے جو پاکستان دشمنی میں خاص شہرت کے حامل تھے اس پر قبضہ جما لیا اور اسے جمعیۃ علمائے ہند کی پاکستان کی شاخ بنا کر رکھ دیا اور اس کا سیاسی اور روحانی رابطہ اکھنڈ بھارت کے حامیوں سے استوار کر دیا۔'' (ص ۱۲۰)

مولانا مفتی محمود صاحب کے پاکستان کی سیاست میں اہم کردار کو پاکستان کی بدبختی سے تعبیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ملک کی اس بڑی بدبختی اور کیا ہوسکتی ہے کہ وہ مفتی محمود جو سقوطِ ڈھاکہ کے المناک سانحہ پر علانیہ بغلیں بجا رہے تھے اور سننے والوں نے ان کی زبان سے یہ سنا کہ ''جس ملک کے بنانے کی مخالفت ہمارے اکابر حضرت مدنی اور مولانا آزاد نے کی ہو اس میں کبھی خیر کا ظہور ممکن نہیں، یہ ملک آج آدھا ٹوٹا ہے تو کل پورا ٹوٹ جائے گا'' وہ اس ملک کی سیاست کا اہم شخص بن گیا۔'' (ص ۱۲۰)

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب کے دورۂ انڈیا کے موقع پر ایک بھارتی صحافی شاہد صدیقی نے مفتی محمود صاحب کے انٹرویو لینے میں ناکامی کے بعد ان کی توہین وتنقیص پر مبنی ایک مضمون لکھا، ''حق نوائے

احتشام'' کے مضمون نگار اس مضمون کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''مفتی محمود کے بارے میں ان (بھارتی صحافی) کا تأثر اگرچہ اولین تأثر ہے، لیکن یہ ہر اس شخص کا تأثر ہے جو مفتی محمود کو قریب سے جانتا ہے۔ وہ حقیقتاً نخوت ورعونت کا مجسمہ ہیں اور ان کی ظاہری خوش خلقی اور خوش طبعی محض ایک دکھاوا اور ان کی پر پیچ شخصیت کا فریب کارانہ رخ تھا، انہیں اقتدار کی ایسی ہوس تھی کہ اس پر وہ اپنا ضمیر، اپنی آبرو اپنا مذہبی تقدس ہر شئی کو داؤ پر لگا دینے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے'' (ص ۱۲۳)

کاش کہ فاضل مضمون نگار اور رسالے کے اربابِ اختیار یہ الفاظ لکھنے اور چھاپنے سے پہلے اگر ''نقوشِ رفتگان'' سے حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے حضرت مولانا مفتی محمود صاحب کے بارے میں جذبات وتأثرات ہی ملاحظہ فرما لیتے تو شائد انہیں اپنے اس طرزِ عمل پر کچھ ندامت محسوس ہوتی، اگر شرم وحیا کا کوئی شائبہ ان کے اندر موجود ہوتا۔

اعلیٰ تہذیب واخلاق کا مزید مظاہرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مفتی صاحب کے مرغانِ دست آموز کی جماعت کا نام تحفظِ حقوقِ اہل سنت رکھا گیا اور اس کا سربراہ عبد المجید نامی شخص کو مقرر کیا گیا جو مفتی محمود کا پالتو تھا۔'' (ایضاً)

مزید لکھتے ہیں:

''مدرسہ قاسم العلوم کے معمولی مدرس سے مہتمم کے مرتبے تک ان کا پہنچنا بھی اسی ہوسِ اقتدار کا کرشمہ تھا۔'' (ایضاً)

قارئینِ کرام! زہر میں ڈوبی اور گندگی میں لتھڑی ان تحریروں کو نقل کرتے وقت ہم ہزار بار اللہ کی پناہ چاہتے ہیں اور قارئینِ کرام کو بھی ان کے پڑھنے سے جو ذہنی اذیت ہوئی اس پر ان سے معافی کے خواستگار ہیں۔ دلچسپ واقعہ ہے کہ ماہنامہ ''حق نوائے احتشام'' کے ذمہ داران ان تمام خرافات کو شائع فرمانے کے ساتھ ساتھ نہایت صفائی سے اپنے آپ کو اس کی ذمہ داری سے بری بھی رکھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''یہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ ان اقتباسات کے ہر جزء سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں ہے بلکہ اس کی خامی اور خوبی کے ذمہ دار خود مضمون نگار ہیں۔'' گویا

عجب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں

لیکن اس جملہ کے متصل وہ مضمون نگار کی اس دشنام نگاری کا دفاع بھی کرتے نظر آتے ہیں اور رسالے کے پیش لفظ میں بھی فرماتے ہیں:

’’مذکورہ بالا سوانح حیات (جس کے چند اقتباسات اوپر دیئے گئے ہیں) کب چھپے گی، کہاں سے چھپے گی، کون اسے چھاپے گا اور کس انداز سے چھپے گی، کچھ نہیں کہا جا سکتا، لیکن ہے بڑی ہی زبردست اور معرکۃ الآراء شاہکار۔‘‘

پھر یہ دلخراش اور دلسوز عبارات آخر چھپی تو ان ہی کے رسالے میں ہے، اور چھاپا تو انہوں نے اپنے اختیار اور انتخاب سے ہی ہے، لہٰذا اس کی ذمہ داری سے ان کو کسی صورت بھی عہدہ برآ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اکابر حضرات پر ان سطور میں جو سطحی الزامات لگائے گئے ہیں اور پھر جواباً ان پر تبرا بازی کی گئی ہے یہ تمام الزامات بلا دلیل ہیں۔ اسی طرح جن علمائے حق کو نعوذ باللہ فریبی، عیار، مکار وغیرہ کہہ کر شقاوتِ قلبی کا مظاہرہ کیا گیا ہے، ان کی تعریف وتوصیف میں علماء وصلحاء اور اہل اللہ کی اس قدر عبارات پیش کی جا سکتی ہیں کہ ان سے ایک اچھی خاصی موٹی کتاب وجود میں آسکتی ہے۔ خود حکیم الامت حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ کے حلقۂ ارادت سے ہی ان علماء کی تعریف وتوصیف کے بے شمار حوالے پیش کئے جا سکتے ہیں۔ صرف شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی ’’نقوشِ رفتگان‘‘ سے محدثِ کبیر حضرتِ اقدس علامہ یوسف بنوریؒ اور حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ کے حالات کا مطالعہ کیا جائے تو ان کی بلند شخصیت، روشن کردار، عالی ہمتی، بے نفسی، سادگی وتواضع، علمیت اور جرأت وبہادری کا اندازہ ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ماہنامہ ’’حق نوائے احتشام‘‘ کے اربابِ اختیار کی کم ظرفی، اہل اللہ سے عداوت اور کوتاہ نظری کا بھی۔ سچ ہے کہ جسے اللہ جل جلالہ خیر سے محروم کرنا چاہتے ہیں اسے نیک اور پاکیزہ لوگوں کی بدگوئی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ ہم ماہنامہ ’’حق نوائے احتشام‘‘ کی اس ہفوات کو ناقابلِ اعتناء سمجھتے ہوئے نظر انداز کر دیتے مگر معلوم ہوا کہ ماہنامہ کے منتظمین اسی قسم کے مندرجات پر مشتمل ایک پوری کتاب شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں جو برسوں سے ترتیب شدہ اور کمپوز شدہ ان کے پاس موجود ہے مگر ’’حالات‘‘ کے سازگار ہونے کے انتظار میں اشاعت کی منتظر ہے۔ ہم ان کی خدمت میں مؤدبانہ عرض کرتے ہیں کہ یہ حالات ان شاء اللہ کبھی ان کیلئے سازگار نہیں ہوں گے۔ علمائے اہلِ حق کے غیرت مند فرزندان الحمد للہ ابھی زندہ ہیں اور اپنے اکابر کی عظمت کا دفاع کرنا بحمد اللہ جانتے ہیں۔ ان حضرات سے درخواست ہے کہ مہربانی فرما کر اپنے آپ کو دین کے کسی مثبت کام میں مصروف کریں اور اپنی آخرت کو مزید تباہ کرنے کا سامان نہ فرمائیں۔ اس وقت صرف اہلِ سنت عوام اور علماء کی خدمت میں ان کی خرافات کو پیش کرنے پر اکتفاء کیا جا رہا ہے، اگر انہوں نے یہ تلخ سلسلہ پھر بھی جاری رکھا تو ’’یار زندہ صحبت باقی‘‘

☆☆☆☆

حمزہ احسانی

چند روز شہدا کے دیس میں

(......قسط نمبر ۱......)

عروس البلاد کراچی جسے بلا مبالغہ ''شہدا کا دیس'' کہا جا سکتا ہے، جہاں قومی تجارت وصنعت کا مرکز ہے وہیں علم وعمل اور روحانیت ونورانیت کا بھی مرکز ہے، معرفت وسلوک، تصوف واحسان، علم ودرایت، فقہ وفقاہت، جرأت وشجاعت، حکمت وفراست، اخلاص ووفا، حق گوئی وبیباکی، عشق ومحبت، دیوانگی ووارفتگی اور بے لوثی وجفاکشی کی داستانیں جو اہل ایمان نے کراچی میں رقم کیں وہ تاریخ کے ماتھے کا حسین جھومر اور اس کی زینت ہیں۔ ایک طرف بلند وبالا تجارتی مراکز ہیں تو دوسری طرف بنوری ٹاؤن جیسے عالمی ادارے کے فلک بوس مینارے، ایک جانب آسمان سے باتیں کرتی عالیشان رہائشی عمارتیں ہیں تو دوسری طرف جامعہ فاروقیہ جیسے عالمگیر ادارے کی تاریخ ساز مسجد، اِس طرف عوام الناس کی چہل پہل سے بھرپور بازار ہیں تو اُس طرف شیخ لدھیانوی، شامزئی وجمیل وجلال پوری کے مراقد کا پُر سکون ''گنج شہدا'' نامی باغِ جنت، کسی جانب کاروباری پلازے ہیں تو کسی جانب خانقاہ اشرفیہ امدادیہ کی روح پرور فضائیں، کہیں وسیع وعریض اور کشادہ محلات ہیں تو کہیں خاتم النبیین نامی خوبصورت ودلکش مسجد میں قرآنی علوم وفیوض کی بہاریں، کسی طرف انگلش لینگوئج کے ادارے واکیڈمیاں ہیں تو کسی طرف عربی لینگوئج کے مدارس۔ الغرض دینی ودنیاوی ہر اعتبار سے کراچی کو مرکزیت حاصل ہے۔

گزشتہ سال ۱۱ شعبان المعظم تا ۱۷ رمضان المبارک اور اس سال ۷ شعبان المعظم تا ۱۵ رمضان المبارک بندہ ناچیز نے تقریباً دو چلے کراچی میں لگائے، حاضری کا اصل مقصد تو شہیدِ اسلام حضرت لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کی قائم کردہ جامع مسجد خاتم النبیین (گلزار ہجری، کراچی) میں منعقدہ ''دورۂ تفسیر القرآن الکریم'' میں شرکت تھی، جہاں حافظ الحدیث حضرت درخواستی رحمہ اللہ کے علمی وفکری جانشین، شیخ التفسیر والحدیث، استاذ العلماء، ماہر علوم عقلیہ ونقلیہ، بحر العلوم، حضرت مولانا منظور احمد نعمانی دامت برکاتہم العالیہ عرصہ نو (۹) سال سے قرآنی علوم ومعارف، شائقین تفسیر میں بانٹ رہے ہیں، حضرت الاستاذ مدظلہم کو خداوند قدوس نے گوناگوں صفات سے نوازا ہے، علوم عربیہ عالیہ میں سے بالخصوص تفسیر میں خاص مہارت اور والہانہ وعاشقانہ لگاؤ ہے، جس کا اظہار دورانِ درس بخوبی ہوتا رہتا ہے، آپ کے دل میں قرآن کی محبت وعقیدت عشق کی حد

تک راسخ ہے، اور آپ کا دل امت کے دکھ درد کو محسوس کرنے میں بھی حقیقی وارث نبی ہونے کی نشاندہی کرتا ہے، سب جانتے ہیں کہ عشق اور شاعری کا چولی دامن کا ساتھ ہے، جب دل میں عشق کی آگ سلگتی ہے تو اس کا دھواں اشعار کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے، حضرت الاستاذ بھی اپنے قلبی جذبات کا اظہار اکثر عربی، فارسی، اردو اور سرائیکی اشعار میں کرتے ہیں، آپ خود بھی مذکورہ چاروں زبانوں کے قادر الکلام شاعر ہیں۔
جانشین حضرت لدھیانویؒ، مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ لکھتے ہیں:

''آپ جہاں قادر الکلام متکلم اور بہترین خطیب ہیں، وہاں آپ بہترین انشاپرداز اور اعلیٰ درجے کے شاعر بھی ہیں، چنانچہ آپ اُردو، عربی، فارسی اور سرائیکی کے فصیح و بلیغ شاعر ہی نہیں بلکہ استاذ الشعراء ہیں۔

آپ فی البدیہہ اور بے ساختہ شعر کہتے ہیں، آپ کو اشعار موزون کرنے کے لیے کسی گہرے غور وفکر اور سوچ و بچار اور تنہائی و عُزلت کے ماحول کی ضرورت پیش نہیں آتی، بلکہ موقع کی مناسبت سے اٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے شعروں پہ شعر کہتے چلے جاتے ہیں، آپ مشکل سے مشکل موضوع کو نہایت خوبصورتی اور آسانی سے عمدہ اشعار کے سانچے میں ڈھال لیتے ہیں، گویا آپ کی شاعری روایتی نہیں بلکہ فطری ہے، اس لیے یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ آپ ہمہ جہت شاعر ہیں۔''

[تنویر الجنان، ص:۵]

ذرا اُستاذِ محترم کے چند اُردو اشعار تو ملاحظہ فرمایئے!
......خالقِ کائنات کی بارگاہ میں

تیرے سپرد ہے اے خدا! یہ دِل مرا یہ دِل مرا
تجھ سے ہی پائے گا شفا، یہ دِل مرا یہ دِل مرا
دِل میرے میں تُو بسے، تجھ بِن نہ کوئی آسکے
ہر دم نظر تجھ پہ ٹکے، ہرگز نہ دیکھوں دوسرا
دِل میرا تیرا گھر رہے، اس میں نہ کوئی شر رہے
تیرے کرم کی نظر رہے، دِل و جان ہو تجھ پہ فدا
دنیا نے مجھ کو دُکھ دیا، تجھ ہی سے مجھ کو سُکھ ملا
ہوں دَر پہ تیرے جھُک گیا، جُز تُو نہیں حاجت روَا
ہر دَرد کا درماں ہے تُو، ہر رَنج میں رحماں ہے تُو

سب خلق پہ سُلطاں ہے تُو، کوئی نہیں تیرے سِوا
ہر کس ترا محتاج ہے، ہر دِل پہ تیرا راج ہے
سائل ترا باتاج ہے، احقر تیرے در کا گدا
تیرے سوا میرا کون ہے؟ تُو ہی بتا میرا کون ہے؟
مشکل کشا میرا کون ہے؟ تجھ کو پکارا انبیاءؑ

......بوقتِ زیارتِ بیت اللہ

پیارا ہے پیارا ہے، خدا کا گھر پیارا ہے
میری آنکھوں کا تارا ہے، میرے دِل کا دلارا ہے
وہ دیکھو گھومتے پھرتے ہیں عاشق مثلِ پروانہ
خدا کے عشق نے ان کو دوعالَم سے نکھارا ہے
میری پُرنم نگاہوں نے کیا دیدار جب اس کا
اسی کے حسنِ منظر نے میرے دل کو سنوارا ہے

......شکرِ منعم

دی زباں اللہ نے حمد و ثنا کے واسطے
دِل دیا اپنے لیے اور مصطفیٰ کے واسطے
آنکھ سے دیکھیں قتل کرتے یا ہوتے سرفروش
تاکہ جزبہ موجزن ہو اس ادا کے واسطے
کان سے سنتے رہیں نغمے جہاد و جنگ کے
تاکہ دل میں شوق ہو راہِ خدا کے واسطے
دوڑ کر پکڑیں خدا کے دشمنوں کو ہاتھ سے
پھر قتل ہوں یا کہ قیدی ہوں فِدا کے واسطے
مال سے ہتھیار لیں، کفار پہ حملہ کریں
تجہیزِ غازی بھی کریں رب کی رضا کے واسطے

......ببارگاہِ سرورِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم

محمد ﷺ ہیں وسیلہ دو جہاں کی کامیابی کا
محمد ﷺ کی غلامی میں ہے راز سرفرازی کا
میرے اشکِ رواں عشقِ محمد ہی کے صدقے ہیں
انہی کو آپ ﷺ ہی کی ذات سے منسوب کرتا ہوں
خطا کار و سیہ رُو ہوں طلبگارِ شفاعت ہوں
نجات اپنی لواء الحمد کے سایہ میں چاہتا ہوں

......مدح امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ

خدا کا بندہ نبی کا شیدا کتاب و سنت کا خوب دانا
مفسریں کا امام اعلیٰ محدثیں کا تھا شیخ بالا
امام برحق سراج اُمہ
امام اعظم ابوحنیفہؒ
اُصول دیں کے سکھائے جس نے فروع محکم بتائے جس نے
چراغِ حکمت جلائے جس نے فقیہ راسخ بنائے جس نے
حنیف جس کا عجب طریقہ
امام اعظم ابوحنیفہؒ
عمل حدیثوں پہ تب کروگے سوادِ اعظم سے گر ملو گے
وگرنہ عصیاں میں جا پڑو گے خدا کے غصہ میں تم رہو گے
بتائی ہم کو رہِ نظیفہ
امام اعظم ابوحنیفہؒ
گروہ ناجی کا پیر ہے وہ عدو کے سینے میں تیر ہے وہ
مجاہدیں کا امیر ہے وہ ہمارے دل کا منیر ہے وہ
علوم و عرفاں کا تھا خزینہ
امام اعظم ابوحنیفہؒ

......حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے حجرہ کی زیارت کے موقع پر

حجرۂ محمود میرے دل کی جو تعبیر ہے
مرکزِ تحریک ہے، منبع تفسیر ہے
اِس شکستہ حجرہ سے آیا جہاں میں انقلاب
دیو بھاگا ہند سے، مسلم ہوئے سب کامیاب
اس مبارک حجرہ میں آ کے ہوا مسرور ہوں
گرچہ نامنظور تھا اب ہوگیا منظور ہوں

......شیخ العرب والعجم حضرت مدنی رحمہ اللہ کی بارگارہ میں گلہائے عقیدت

شیخ محمود الحسن کا جانشیں سچا تھا جو
ہم قدم ہم راز ان کا ، اِلفِ زنداں کون تھا
جس کے علم و فیض سے روشن زمینِ دیوبند
پیشوائے عالمان و صدرِ ایواں کون تھا

......تھانہ بھون حاضری کے موقع پر

ہم سبھی اَشرف ہوئے ''اشرف'' کا خانہ دیکھ کر
جان و دِل سے خوش ہوئے ہم شہرِ ''تھانہ'' دیکھ کر
جو مریدوں کو پلاتے تھے محبت کی شراب
ہم کو شامل کر ہی لیں اپنا دیوانہ دیکھ کر

......امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی یاد میں

ترجمانِ اہلِ سنت فخرِ اہل دیوبند
قالع و قماعِ باطل دِلستاں جاتا رہا
دو حُسینوں سے شرابِ معرفت پی کر امیں
مستفیضوں کو پلا کر مہرباں جاتا رہا

......سقوطِ افغانستان کے بعد عید الفطر کے موقع پر

عید آئی ہے میرا گلشن اُجڑ جانے کے بعد
میرے پیارے ملک میں بادِ خزاں آنے کے بعد
میری آنکھوں نے جہاں دیکھی تھیں قرآں کی بہار

سنت نبوی پہ قائم تھے جہاں لیل و نہار
اب وہاں خوں خوار بندر، بھیڑیئے سب آ گئے
خونِ مسلم پینے کو میرے وطن پہ چھا گئے
دل مرا زخمی ہے دردِ دل بیاں کس سے کروں
داستانِ غم الم اپنی عیاں کس سے کروں
اے مرے مشکل کشا، حاجت روا، پروردگار!
کر تباہ ان ظالموں کو پھر دکھا پہلی بہار

اردو کے علاوہ عربی، فارسی اور سرائیکی اشعار کی صورت میں بھی آپ کے فن پارے موجود ہیں، شائقین آپ کے منظوم کلام پر مشتمل کتاب "اشکِ رواں" سے اپنے ذوق کی تسکین کر سکتے ہیں۔

دورانِ درس حضرت الاستاذ صرف طلباء کے تفسیری ذوق کی تسکین اور قرآنی علوم سے ہی ان کو سیراب نہیں کرتے بلکہ فکری و روحانی تربیت اور اخلاقی اصلاح کی طرف بھی بھرپور توجہ فرماتے ہیں، صرفی نحوی اور لغوی تحقیق تو لوازمات میں سے ہے ہی، آپ عربی ادب سے گہرے شغف کی بنا پر گاہے گاہے زمانہ جاہلیت کے عربی اشعار، استشہاد کے طور پر پیش کرتے رہتے ہیں، اہل حق و اہل باطل کے دلائل اور ان کے تجزیے سے احقاق حق و ابطال باطل کا فریضہ بھی خوب انجام دیتے ہیں۔ الغرض آپ کے دورۂ تفسیر میں جہاں علمی و تحقیقی فائدہ حاصل ہوتا ہے وہیں روحانی اور فکری و مسلکی طور پہ بھی طالبان حق آپ سے مستفید ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے درس میں شریک ہو کر انسان محسوس کرتا ہے کہ قرآنِ پاک کو صحیح معنوں میں پہلی بار سمجھ رہا ہوں، اس سے قبل ہم نے سمجھا ہی نہیں۔

جانشین حضرت جلال پوری مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ مدظلہم لکھتے ہیں:

> "حضرت مولانا عبداللہ بہلوی رحمہ اللہ نے اپنے حالات میں لکھا ہے کہ: میرے شیخ نے مرض الوفات سے چند دن پہلے مجھے نصیحت کی کہ اگر تصوف میں کوئی مشکل پیش آئے تو حضرت مولانا حسین علی واں بھچراں قدس اللہ سرہ سے اس کا حل معلوم کرنا۔ حضرت بہلوی لکھتے ہیں کہ جب میں حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے پاس پہنچا، تعارف کرایا، اپنا مسئلہ پیش کیا، حضرت نے سن کر فرمایا: پہلے میرے پاس قرآن کریم کا ترجمہ اور تفسیر پڑھو، پھر تمہارے عقدہ کا حل پیش کروں گا۔ میں نے ترجمہ اور تفسیر حضرت سے پڑھنا شروع کیا، معلوم ہوا کہ ہم نے تو ابھی تک قرآن کریم کا ترجمہ و تفسیر گویا پڑھا ہی نہیں۔

بعینہ یہی حال استاذ العلماء حضرت مولانا منظور احمد نعمانی دامت برکاتہم العالیہ سے ترجمہ و تفسیر

پڑھنے والے علماء کا ہے کہ استاذِ محترم جس انداز سے قرآن کریم کی تشریح، تفسیر اور خلاصہ بیان فرماتے ہیں، اس سے قرآن کریم کی ہر ہر سورت، ایک ایک آیت اور الگ الگ جملہ کا باہم ربط اور مقصد ذہن نشین ہوتا چلا جاتا ہے۔'' [تنویر الجنان، ص:۳]

استاذِ محترم کی تحقیق وترتیب پر مشتمل تفسیر ''تنویر الجنان بانوار القرآن'' کے پندرہ پارے مکتبہ لدھیانوی (18-سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن کراچی 0321-2115595) سے طبع ہو کر منظر عام پر آچکے ہیں، ان کے بارے میں حضرت مولانا اعجاز مصطفیٰ مدظلہم تحریر فرماتے ہیں:

''استاذِ محترم دامت برکاتہم نے عمر بھر محنت، ریاضت اور مجاہدہ سے بحر قرآنی (متعدد اور مختلف تفاسیر) میں غواصی کر کے اور غوطہ زن ہو کر بڑے قیمتی اور نادر ہیرے، جواہرات اور لعل وگوہر چن چن کر مشتاقان علوم اور وارثینِ انبیاء کی خدمت اور میزبانی کے لیے ''تنویر الجنان......'' کے علمی دسترخوان پر سجا کر پیش کر دیئے ہیں۔'' [ایضاً]

اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ کے علوم وفیوض سے کامل استفادہ کے توفیق مرحمت فرمائے اور آپ کی عمر صحت وعافیت وتندرستی کے ساتھ دراز فرمائے۔ تا دیر آپ کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رہے۔ آمین۔

(جاری ہے۔۔۔)

مودودی صاحب نے قدم قدم پر ٹھوکریں کھائی ہیں۔ (فرمانِ امام اہل سنتؒ)

یہی حال مودودی صاحب کا ہے کہ اس نے قدم قدم پر ٹھوکریں کھائی ہیں۔ کچھ کا کچھ کہہ گیا ہے۔ یقین جانو! ہم قرآن کے سمجھنے میں صحابہ کرام کے محتاج ہیں، تابعین کے محتاج ہیں، فقہائے کرام اور محدثینِ عظام کے محتاج ہیں، بزرگانِ دین کے محتاج ہیں۔ ازخود کوئی قرآن نہیں سمجھ سکتا، چاہے کتنا ہی لائق کیوں نہ ہو۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ اٹھارہ سال میں نے پڑھا ہے اور چھپن سال مجھے پڑھاتے ہوئے ہو گئے ہیں۔ مگر اب بھی دین کی پوری سمجھ نہیں ہے۔ بزرگوں کے دامن میں آتے ہیں، ان کے قدم پکڑتے ہیں تو پھر سمجھ آتی ہے، پتہ چلتا ہے۔ اور آج چار جماعتیں پڑھ کر صحافی بن جاتا ہے، مجتہد بن جاتا ہے، مجتہد کا بیٹا بن جاتا ہے اور قرآن وحدیث کو لتاڑتا پھرتا ہے۔ دین ایسی چیز نہیں ہے جس میں اپنی رائے کو دخل دیا جائے۔ اپنی رائے پر کبھی بھی اعتماد نہ کرنا، گمراہ ہو جاؤ گے۔ دین کے سمجھنے میں بزرگوں پر اعتماد کرنا ہے۔

(ذخیرۃ الجنان، ج:۱۳، ص:۱۶۰)

دیوبندی بریلوی اختلاف اُصولی یا فروعی......؟

دار العلوم دیوبند......اور......مظاہر العلوم سہارنپور......کا فتویٰ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل میں ہمارے یہاں تقریباً دوتین سال سے یہ اختلاف روز افزوں ہوتا جارہا ہے اور ہمارے اکابرِ دیوبند کے منتسبین فریقین میں منقسم ہوتے جارہے ہیں، لہٰذا مندرجہ ذیل امور کا مفصل ومدلل بحوالہ کتب جواب باصواب تحریر فرما کر ہماری رہنمائی فرمائیں۔

بریلوی، دیوبندی اختلاف فروعی ہے یا اُصولی اور اعتقادی؟

ایک جماعت کہتی ہے کہ فریقین کے درمیان یہ اختلاف فروعی ہے، اور ہمارے علمائے دیوبند اور اکابر دیوبند نے جو سختی اختیار کی تھی عارضی اور وقتی تھی، کیونکہ دونوں فریق اہل السنّت والجماعت میں سے ہیں اور مسلک حنفی پر قائم ہیں، اشاعرہ اور ماتریدیہ کے بیان کردہ عقائد پر قائم ہیں، بیعت وارشاد میں بھی دونوں فریق صحیح طریقہ پر موجود ہیں۔

اب چونکہ اسلام دشمن عناصر قوت سے اُبھر رہے ہیں، لہٰذا دیوبندیوں اور بریلویوں کو متحد ہوکر ان کا مقابلہ کرنا چاہیے، ماضی کے تجربات کی روشنی میں بتلائیں کہ کیا ایسا اتحاد عملاً کامیاب ہوگا؟ کیا اس مقصد کے لئے دیوبندیوں کو اپنے اُصولی موقف اور مسائل سے ہٹنا اور عرس ومیلاد اور فاتحہ وغیرہ میں شریک ہونا جائز ہے؟

دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ اکابر دیوبند کا اختلاف بریلویوں سے فروعی ہی نہیں بلکہ اُصولی اور اعتقادی بھی تھا اور ہے، مثلاً: نور وبشر کا اختلاف، علم غیب کلی کا اختلاف، مختارِ کل ہونے کا اختلاف، حاضر وناظر، قبروں پر سجود کا اختلاف وغیرہ وغیرہ اہم اور عظیم ہیں، نیز اکابر دیوبند کے بارے میں تکفیری فتاویٰ ان کی کتابوں میں ہیں، لہٰذا ان سے اتحاد کے لئے ضروری ہے کہ پہلے وہ اپنی کتابوں سے تکفیری فتاویٰ نکال دیں اور ان سے براءت ظاہر کریں اور اپنے عقائد درست کریں۔

اول الذکر حضرات میلاد شریف اور عرس وغیرہ کے جواز اور استحباب پر اکابر دیوبند کے بعض اقوال سے استدلال کرتے ہیں، مثلاً: رسالہ ''ہفت مسئلہ'' مصنفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، نیز حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اقوال سے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

کیا بریلویوں کی مجالس میلاد وعرس وغیرہ میں مصلحتاً شریک ہونا جائز ہے؟

کیا ان کے اعمال کو مصلحتاً برداشت کر کے متحد ہونے کی دعوت دینا جائز ہے؟

کیا یہ اختلاف اُصولی اور اعتقادی ہے یا فروعی؟

کیا بریلوی بھی اہل السنّت والجماعت ہیں؟

کیا بریلویوں کی بدعات فی نفسہ ہمارے حضرات دیوبند کے یہاں بھی جائز ہیں اور مباح؟

نقشِ نعلین شریفین کی کیا حقیقت ہے؟ کیا اس سے استبراک، چومنا، سر پر رکھنا وغیرہ جائز ہے؟

یہ مسائل پاکستان میں بہت عام ہوتے جا رہے ہیں، ابھی تک علمائے دیوبند کے فتاویٰ کو یہ لوگ اہمیت دیتے ہیں، اُمید ہے کہ یہ لوگ خلاف شرع اُمور سے باز آ جائیں، بینوا و توجروا!

فقط......والسلام!......المستفتی: اسماعیل بدات......از مدینہ منورہ......۱۸/۱۰/۱۴۱۷ھ

الجواب ومن اللہ التوفیق

حامداو مصلیاً و معلماً، امابعد!

دوسری جماعت کا خیال صحیح ہے کہ:

''دیوبندیوں کا بریلویوں سے اختلاف فروعی نہیں بلکہ اصولی اور اعتقادی بھی ہے۔''

اور پہلی جماعت کا خیال صحیح نہیں ہے کہ:

''فریقین کے درمیان صرف فروعی اختلاف ہے اور دونوں فریق اہل السنّت والجماعت میں سے ہیں اور مسلک حنفی پر قائم ہیں، نیز اشاعرہ وماتریدیہ کے بیان کردہ عقائد پر قائم ہیں، بیعت وارشاد میں بھی دونوں فریق صحیح طریقہ پر موجود ہیں۔''

کیونکہ بریلویوں (رضاخانیوں) نے اہل السنّت والجماعت کے عقائد میں بھی اضافہ کیا ہے، اور ایسے فروعی مسائل کو بھی دین کا جزو بنایا ہے جن کی فقہ حنفی میں واقعی کوئی اصل نہیں ہے، مثلاً: عقائد میں چار اصول اور بنیادی عقائد بڑھائے ہیں: ۱......نور وبشر کا مسئلہ۔ ۲......علم غیب کلی کا مسئلہ۔ ۳......حاضر وناظر کا مسئلہ۔ ۴......مختارِکل ہونے کا مسئلہ۔ اور فروعی مسائل میں غیر اللہ کو پکارنا، قبروں پر سجدہ کرنا، قبروں کا طواف کرنا، غیر اللہ کی منتیں ماننا، قبروں پر چڑھاوے چڑھانا، میلادِ مروجہ اور تعزیہ وغیرہ سینکڑوں باتیں ان کی ایجاد ہیں، جو صریح بدعات ہیں۔ اور بیعت وارشاد میں بھی ان لوگوں نے بہت سی غیر شرعی چیزوں کی آمیزش کر لی ہے، مثلاً: قوالی اور وجد وسماع وغیرہ۔

نیز فریق اول کا یہ موقف خلاف واقعہ ہے کہ:

''ہمارے علمائے دیوبند اور اکابر دیوبند نے جو سختی اختیار کی تھی وہ عارضی اور وقتی تھی۔''

بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ دیوبندیت نام ہی تمسك بالسنة اور تنفير عن البدعة کا ہے، اکابر دیوبند کا عمل ہمیشہ ''فاصدع بما تؤمر'' پر رہا ہے، انہوں نے کبھی دین کے معاملے میں مداہنت نہیں فرمائی، البتہ انہوں نے مقابلہ آرائی اور محاذ آرائی اور تکفیر بازی سے بھی گریز کیا ہے، اور ہمیشہ نرمی اور حکمت سے اصلاحِ حال کی کوشش کی

ہے، پس آج بھی ان کے اخلاف کو یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔

رسالہ ''فیصلہ ہفت مسئلہ''، ''مسلک منقح'' سے پہلے کی تصنیف ہے، اس سے استدلال صحیح نہیں ہے، اور حضرت شیخ سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ایسے اقوال ہمارے علم میں نہیں۔

اور بریلویوں کی مجالس میلاد اور عرس وغیرہ میں مصلحتاً شریک ہونا بھی جائز نہیں ہے، اور اس کی ممانعت ''ودوالو تدھن فید ھنون'' میں مذکور ہے، اور ''لکم دینکم ولی دین'' میں اشارہ بھی اسی طرف ہے، اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے امداد الفتاوی ج:۵ ص:۳۰۲ میں تحریر فرمایا ہے کہ: ''رسوم بدعات کے مفاسد قابل تسامح نہیں!''

اور ج:۴ ص:۳۸۰ کے سوال وجواب کا خلاصہ یہ ہے کہ عرس وغیرہ بدعات میں جولوگ شریک ہوتے ہیں، ان کی بے ضرورت تعظیم وتکریم کرنے والے بھی'' **من وقّر صاحب بدعة فقد اعان علی ھدم الاسلام**'' کا مصداق ہیں۔

اور بعض بدعات کے فی نفسہ جائز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ امور فی نفسہ تو جائز ہوتے ہیں، جیسے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کا تذکرہ، مگر التزام اور شرائط وقیود کی پابندی کی وجہ سے وہ چیزیں بدعت کے زمرہ میں داخل ہوجاتی ہیں، اور وہ ناجائز ہوجاتی ہیں۔

اور نقشہ نعل مبارک کی کوئی اصل نہیں ہے، اور استبراک اور اس کو چومنا، سر پر رکھنا بے اصل ہے، اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے امداد الفتاویٰ ج:۴ ص:۳۷۸ میں اپنے رسالہ'' **نیل الشفاء بنعل المصطفی**'' سے رجوع فرمالیا ہے۔ **واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم!**

حررہ: سعید احمد پالن پوری عفا اللہ عنہ......خادم: دارالعلوم دیوبند، ۲۳ ذوالقعدہ ۱۴۱۷ھ

محمد ظفیر الدین......مفتی: دارالعلوم دیوبند، ۲۵ ذوالقعدہ ۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح......العبد نظام الدین......مفتی دارالعلوم دیوبند ۱۴۱۷/۱۱/۲۵ھ

مظاہر العلوم سہارنپور کا فتویٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین (دیوبند) اس بارے میں کہ:

حضرات اکابرین دیوبند کا جماعت بریلویہ سے جو اَب تک اختلاف رہا ہے، یہ اختلاف فروعی ہے یا اصولی وعقائد کا اختلاف ہے؟

اور جو بدعات بریلویوں نے اختیار کررکھی ہے، مثلاً تیجہ، بیسواں، چالیسواں، برسی، قبروں پر سالانہ عرس، میلاد کا قیام، اجتماعی سلام وغیرہ ان امور کی اکابر دیوبند خصوصاً حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی اوران کے خلفاء وتلامذہ نے جو شدت سے ان کی تردید کی تھی، کیا موجودہ علمائے

دیوبند اس پر قائم ہیں؟ یا اس میں کچھ خفت آ گئی ہے؟

اور کیا جماعت بریلویہ کو کسی بھی اعتبار سے اہل السنّت والجماعت میں شمار کیا جا سکتا ہے؟

کیا ان لوگوں کا مذہب حضرات اشاعرہ اور حضرات ماتریدیہ کے موافق ہے؟

بعض ایسے لوگ ہیں جو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے انتساب کے مدعی ہیں، انہوں نے یوں کہنا شروع کیا کہ: اکابر دیوبند جو بدعات سے منع فرماتے تھے وہ سدّ اللباب تھا، اور عارضی طور پر ان سے بچنے کی تاکید فرماتے تھے، اور یہ کہ مصلحتوں کی بنا پر ان بدعات کو اختیار کر لینا چاہیے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

کیا واقعی موجودہ حضرات علمائے دیوبند نے بریلویوں کی بدعات کی مخالفت میں کچھ ہلکا پن اختیار کر لیا ہے؟

اور کیا مصلحتاً ہلکا ہو جانا مناسب ہے؟

اور کیا حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کچے دیوبندی تھے؟

ان کے اکابر نے جو سوچ سمجھ کر بدعات، بریلویہ کا سختی سے مقابلہ کیا تھا، کیا یہ شیخ الحدیث رحمہ اللہ کو گوارا نہیں تھا؟

ان سے انتساب رکھنے والے جو بعض لوگ بریلویوں کی بدعات (جیسا کہ حال ہی میں ایک پاکستانی صاحب نے ''اکابر کا مسلک ومشرب'' کے نام سے ایک کتابچہ شائع کیا ہے) والے اعمال کو مصلحت کے نام سے اختیار کرنا مناسب سمجھتے ہیں، ان لوگوں کی رائے کا کیا وزن ہے؟

کیا ان لوگوں کے انتساب سے حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کی شخصیت پر حرف نہیں آ رہا ہے؟

بینوا توجروا!

السائل......اسماعیل بدات، مدینہ منورہ

الجواب

حضراتِ علمائے دیوبند جن کے اسمائے گرامی سوال میں مذکور ہیں، اور ان کے تلامذہ اور خلفاء سب پکے متبعِ سنت تھے، اور ہر ایسی چیز کے شدت کے ساتھ مخالف ہے جو شرعی اصول کے مطابق بدعت کے دائرہ میں آتی ہو، چونکہ حسب فرمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر بدعت گمراہی ہے، اس لئے اس گمراہی سے امت کو محفوظ رکھنے کا اہتمام فرماتے تھے، اس سلسلہ میں ان کی چھوٹی بڑی کتابیں معروف ومشہور ہیں، اور ان کے تردیدی مضامین اور فتاویٰ، اور ''البراہین القاطعہ''، ''المہند علی المفند'' اور ''الشہاب الثاقب''، ''امداد الفتاوی'' اور ''اصلاح الرسوم'' میں موجود ہیں، انہوں نے سوچ سمجھ کر اپنی عالمانہ ذمہ داری کو سامنے رکھ کر خوب کھل کر نہ صرف بریلویوں کی بدعات کی بلکہ ہر اس بدعت کی (جو اعتقادی ہو یا عملی) جس کا کسی بھی علاقہ میں علم ہوا، سختی سے تردید فرمائی، ان کی یہ تردید عارضی نہیں تھی۔

بدعت کبھی سنت نہیں ہو سکتی، لہٰذا اس کی تردید بھی عارضی نہیں ہو سکتی، اور اس کی تردید میں ہلکا پن اختیار

کرنے کی شرعاً کوئی اجازت نہیں۔

حضرات اکابر دیوبند نے جو بدعت کی تردید کی اور اس بارے میں جو مضبوطی کے ساتھ اہل بدعت کے ساتھ جم کر مقابلہ کیا، ان کی اس محنت اور کوشش سے کروڑوں افراد نے بدعتوں سے توبہ کی، اور سنتوں کے گرویدہ ہوئے۔

آج اگر کوئی شخص یوں کہتا ہے کہ اب بدعتوں کی تردید میں سختی نہ کرنی چاہیے یا مصلحتاً ان کو کسی تاویل سے اپنا لینا چاہیے، ایسا شخص دیوبندی نہیں ہے، اگرچہ اکابر دیوبند سے متعلق ہونے کا مدعی ہو۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی قدس سرہٗ بہت ہی پکے دیوبندی تھے، اپنے اکابرؒ کے مسلک سے سرِمو انحراف کرنا انہیں گوارا نہ تھا، ان کی ساری زندگی اور ان کی کتابیں اس پر گواہ ہیں، جو کوئی شخص ان کی طرف بدعت کے بارے میں ڈھیلا پن منسوب کرتا ہے، وہ اپنی بات میں سچا نہیں ہے۔

لفظ ''اہل السنّت والجماعت'' کا اطلاق حضراتِ اشاعرہ وماتریدیہ پر ہوتا ہے، احمد رضا خاں بریلوی اور ان کی جماعت کا ان دو جماعتوں سے کوئی تعلق نہیں، احمد رضا خاں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب کلی مانتے ہیں یا یوں کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے اختیارات سپرد کر دیئے گئے تھے، یہ دونوں باتیں اشاعرہ اور ماتریدیہ کے یہاں کہیں بھی نہیں، نہ کتب عقائد میں کسی نے نقل کی ہیں، اور نہ ان کی کتابوں میں ان کا کوئی ذکر ہے، اور یہ دونوں باتیں قرآن وحدیث کے صریح خلاف ہیں، یہ سب بریلویوں کی اپنی ایجاد ہیں، اگر کوئی شخص بریلوی فرقہ کو اہل السنّت والجماعت شمار کرتا ہے تو یہ اس کی صریح گمراہی ہے۔

ہم سب دستخط کنندگان کی طرف سے تمام مسلمانوں پر واضح ہو جانا چاہئے کہ اب بھی ہم اسی دیوبندی مسلک پر شدت کے ساتھ قائم ہیں، جو ہمارے عہدِ اول کے اکابر سے ہم تک پہنچا ہے، ہمیں کسی قسم کی خفت گوارا نہیں ہے، **وباللہ التوفیق!**

محمد عاقل عفا اللہ عنہ......صدر المدرسین　　　محمد سلمان......قائم مقام ناظم

مقصود علی......مفتی مدرسہ　　　عبدالرحمٰن عفی عنہ......مفتی مدرسہ

(مہر دار الافتاء مظاہر العلوم سہارنپور)

(بحوالہ آپ کے مسائل اُن کا حل، جلد دہم، ص:۲۰۷ تا ۲۱۳)

بلا عنوان و بلا تبصرہ

مولانا انیس احمد مظاہری، حضرت مولانا یحیی مدنی رحمہ اللہ کے ''سفرِ بخارا وسمرقند'' میں لکھتے ہیں:

''نمازِ عشاء سے کچھ دیر قبل حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب (ہزاروی [ناقل]) وحضرت حافظ صاحب (غالباً حافظ صغیر احمد صاحب [ناقل]) زید مجدہما ایک جگہ مولود شریف میں تشریف لے گئے۔''

[ماہنامہ سلوک واحسان، شعبان/رمضان ۱۴۳۴ھ......جون/جولائی ۲۰۱۳ء ص:۲۱]

مفتی رب نواز حفظہ اللہ

زبیر علی زئی کا تعاقب

(......قسط 12......)

ماہنامہ ''الحدیث'' شمارہ 90 میں شائع شدہ ایک مضمون کا جواب

۴: [۸۰] رب نواز تقلیدی[۷۸] صاحب اپنے بارے میں بتائیں کہ وہ ''جاہل محض'' ہیں[۷۹] یا عالم؟ اگر ''جاہل محض'' ہیں تو مضامین لکھنے کے بجائے کسی[۸۱] درسگاہ میں پڑھنے کے لیے بیٹھ جائیں اور اگر ''عالم'' ہیں تو حافظ ابن عبدالبر اور خطیب بغدادی وغیرہما کے نزدیک تقلید صرف[۸۲] جاہل محض کے لیے ہے، عالم کے لیے نہیں۔[۸۳]

۵: جو دیوبندی عوام رب نواز سے مسئلے پوچھ کر اُن پر عمل کرتے ہیں، کیا وہ رب نواز کے مقلد ہیں اور ''دیوبندی'' کے بجائے ''رب نوازی'' ہیں؟ جواب دیں![۸۴]

[۷۸] تقلیدی اہلحدیث

ذیل میں ہم ''تقلیدی اہلحدیث'' کی نشاندہی کرتے ہیں تاکہ زبیر علی زئی صاحب انہیں بھی ''تقلیدی'' کہا کریں۔

میاں نذیر حسین دہلوی صاحب نے فرمایا:

''میں بعض مسائل میں مقلد ہوں'' (الحیات بعد الممات صفحہ ۳۹۵) مزید دیکھئے حاشیہ نمبر ۱۲-۱۳۔

وکیل اہلحدیث محمد حسین بٹالوی صاحب اپنے بزرگ ''حافظ مولوی عبداللہ صاحب غازی پوری'' کے متعلق لکھتے ہیں:

''آپ نے مصنف کی محض تقلید کی ہے کوئی دلیل کتاب وسنت سے قائم نہ کی''

(اشاعۃ السنۃ جلد ۲۳ صفحہ ۵۴)

بٹالوی صاحب اپنی جماعت کے ''مولوی عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی'' کے بارے میں لکھتے ہیں:

''وہ ثناء اللہ کے دھوکے میں آ کر اس کی تقلید سے بعض غلط باتوں کو بھی صحیح سمجھ کر اس مصرعہ کے مصداق ہو رہے ہیں فعین الرضا من کل عیب کلیلۃ'' (اشاعۃ السنۃ جلد ۲۳ صفحہ ۶۵)

بٹالوی صاحب ہی لکھتے ہیں:

''کچھ عرصہ سے جو غیر منصوصہ و اجتہادیہ مسائل میں اتباع جماعت سلف سے فرقہ اہلحدیث میں انکار پیدا ہو گیا ہے تو اس کے موجد امام و لیڈر (قائد و رہنما) یہی مولوی (ثناء اللہ امرتسری، ناقل) صاحب ہیں اور باقی سب کے سب (علماء کہلاتے ہیں یا عوام میں داخل ہیں) انہی مولوی صاحب کے مقلد ہیں گو زبانی وہ مقلد ہونے کے اقراری نہیں'' (اشاعۃ السنۃ جلد ۲۳ صفحہ ۷۰)

بٹالوی صاحب نے ثناء اللہ امرتسری صاحب کے مقلدین میں ابراہیم سیالکوٹی صاحب کو بھی شمار کیا ہے ان کے متعلق لکھتے ہیں:

''ازاں جملہ ان (امرتسری صاحب، ناقل) کا ایک مقلد جس کو وہ اپنے رسالہ اجتہاد و تقلید میں سحبان ہند کا خطاب اور اپنے بعض مکاتیب میں غازی انور بے کا لقب دے چکے ہیں''

(اشاعۃ السنۃ جلد ۲۳ صفحہ ۷۰)

حاشیہ میں اس مقلد کے متعلق لکھا ہے: ''وہ مولوی ابراہیم سیالکوٹی ہے'' اگلے صفحہ پر سیالکوٹی صاحب کے متعلق لکھا ہے:

''اس مقلد مولوی صاحب ۔۔۔۔۔۔ اس نادان، و بے خبر مقلد مولوی صاحب''

(اشاعۃ السنۃ جلد ۲۳ صفحہ ۷۱)

بٹالوی صاحب، ثناء اللہ امرتسری صاحب کے اہلحدیث مقلدین کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ایسا ہی حال و مقال مولوی صاحب کے دوسرے مقلدوں کا ہے جنہوں نے رسالہ اتباع سلف پر بے سوچے بغیر سمجھنے کے دستخط کر دیئے تھے۔'' (اشاعۃ السنۃ جلد ۲۳ صفحہ ۷۱)

بٹالوی صاحب اپنے اہلحدیثوں کے متعلق لکھتے ہیں:

''جہاں نص نہ ملے وہاں صحابہ، تابعین و ائمہ مجتہدین کی تقلید کرتے ہیں خصوصاً ائمہ مذہب حنفی کی''

(اشاعۃ السنۃ جلد ۲۳ صفحہ ۲۹۰)

مزید دیکھئے حاشیہ نمبر ۱۳۔

ایوب صابر صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''یہ دونوں روایتیں بایں الفاظ مؤطا مالک میں نہیں ہیں، حافظ ابن حجر کا وہم ہے علامہ شوکانی نے حافظ صاحب کی تقلید کرتے ہوئے یہ حدیث نقل کر دی ہے'' (تحقیق تراویح صفحہ ۵۰)

غیر مقلدین کے پرچہ ''الاعتصام'' کے مضمون نگار غازی عزیر صاحب لکھتے ہیں:

''علامہ سیوطیؒ کی تقلید میں علامہ شوکانی نے فوائد المجموعہ میں......حضرت ثوبانؓ کی اس حدیث کو ابن جریر کے حوالہ سے استشہاد کے طور پر نقل کیا ہے'' (الاعتصام لاہور ۹ شعبان ۱۴۱۲ھ صفحہ ۷)

امام اہلحدیث وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

''اس وقت میں جو ایک جماعت اہلحدیث کہلاتی ہے وہ باوجود دعوی اتباع سنت کبھی کبھی اپنے علماء کے جیسے ابن تیمیہ، شاہ ولی اللہ اور شوکانی اور مولانا اسمٰعیل شہید ہیں ایسے مقلد بن جاتے ہیں کہ ان کی رائے کے خلاف دلیل بیان کرنے والے کی دلیل نہیں سنتے یا اگلے ائمہ دین جیسے امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ، وغیرہ یا دوسرے اولیاء اللہ یا صوفیہ کرام ہیں ان کی توہین کرتے ہیں۔''

(تیسیر الباری جلد ۶ صفحہ ۴۹۹ نعمانی کتب خانہ)

وحید الزمان صاحب ہی لکھتے ہیں:

''بعضے اہلحدیث ایسے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی تقلید سے تو بھاگے لیکن ابن تیمیہ اور ابن قیم اور شوکانی اور مولوی اسمٰعیل دہلوی اور نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم کی تقلید اندھا دھند کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے فرمن المطر وقام تحت المیزاب'' (لغات الحدیث، کتاب: درخ جلد ۱ صفحہ ۲۱)

وحید الزمان صاحب مزید لکھتے ہیں:

''تعجب ہے ان اہلحدیث پر جو لوگوں کو تو ابوحنیفہ کی تقلید سے منع کرتے ہیں اور خود جب چاہتے ہیں ابوحنیفہ کے مقلد بن جاتے ہیں......اسی طرح حرمت سماع اور مزامیر میں ابن تیمیہ اور ابن قیم کے مقلد بن جاتے ہیں'' (لغات الحدیث جلد ۲ صفحہ ۱۵۰ مادہ سل)

وحید الزمان صاحب دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

''ہمارے اہلحدیث بھائیوں نے ابن تیمیہ اور ابن قیم اور شوکانی اور شاہ ولی اللہ صاحب اور مولوی محمد اسمٰعیل صاحب شہید نور اللہ مرقدھم کو دین کا ٹھیکدار بنا رکھا ہے جہاں کسی مسلمان نے ان بزرگوں کے خلاف کسی قول کو اختیار کیا، بس اسکے پیچھے پڑ گئے، بُرا بھلا کہنے لگے۔ بھائیو! ذرا تو غور کرو اور انصاف سے کام لو جب تم نے امام ابوحنیفہ اور شافعی کی تقلید چھوڑ دی تو ابن تیمیہ اور ابن قیم اور شوکانی جو ان سے بہت متأخر ہیں ان کی تقلید کی کیا ضرورت ہے۔'' (لغات الحدیث جلد ۲ صفحہ ۱۲ مادہ صب)

عبدالقادر حصاروی غیر مقلد، میر محمد ابراہیم سیالکوٹی صاحب کے متعلق لکھتے ہیں:

''مولانا نے۔۔۔ایک دوسرے عالم کی تقلید کی ہے'' (فتاوٰی ستاریہ جلد۳ صفحہ ۱۴۱)

عنایت اللہ اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

''غزنوی بزرگ خصوصاً اور دیگر اہلحدیث عموماً امام ابن تیمیہ کی عملاً تقلید کرتے ہیں۔''

(العطر البلیغ صفحہ ۱۵۹ مشمولہ رسائل اہلحدیث جلد دوم)

عبدالحق غزنوی صاحب غیر مقلد، ثناء اللہ امرتسری صاحب کے متعلق لکھتے ہیں:

''اہل سنت کی تفاسیر چھوڑ کر ابو مسلم اصفہانی معتزلی کا مقلد بنا''

(الاربعین صفحہ ۸ مشمولہ رسائل اہلحدیث جلد اول)

عبدالعزیز سیکرٹری جمعیت مرکزیہ اہلحدیث ہند، امرتسری صاحب کی تقلیدی زندگی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ان لوگوں کو شرم کرنی چاہیے جو اپنے آپ کو اہلحدیث بلکہ سردار اہلحدیث کہتے ہیں اور تقریروں میں جب مذہب اہلحدیث بیان کرتے ہیں تو حدیث نبوی کی تشریح کرتے ہوئے خاص طور پر لکڑی کی چپٹی بنا کر دکھلاتے ہیں کہ یہ سیدھی چپٹی مذہب اہلحدیث ہے جو صحابہ کرام تابعین ائمہ دین کے وقت سے برابر چلا آتا ہے اور یہ ٹیڑھی چپٹیاں دوسرے فرقے والے ہیں جو اسلام کے عہد مبارک اور صدر اول کے بعد ظاہر ہوئے، لیکن جب عمل کا وقت آتا ہے تو وہی لوگ صحابہ کرام اور ائمہ حدیث کا مسلک چھوڑ چھاڑ کر کہیں متکلمین کی خوشہ چینی کرتے ہیں کہیں معتزلہ، جہمیہ کی تقلید کرتے ہیں اور کہیں متاخرین مقلدین کے در پر کاسہ گدائی لیے کھڑے ہوتے ہیں، شرم! شرم!! شرم!!!'' (فتنۂ ثنائیہ صفحہ ۲۶ مشمولہ رسائل اہلحدیث جلد اول)

عبدالجبار کھنڈیلوی غیر مقلد، غرباء اہلحدیث کے مسئلہ امامت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس امامت نے ایک طرح کی تقلید ضلالت کی شکل اختیار کرلی ہے اور مولوی (عبدالوہاب دہلوی، امام غرباء اہلحدیث، ناقل) صاحب کے اجتہادی مسائل کو یہ لوگ بے چوں و چرا جو خلاف قرآن وحدیث تھے تسلیم کرنے لگے'' (مقاصد الامامۃ صفحہ ۳ مشمولہ رسائل اہلحدیث جلد اول)

بدیع الدین راشدی وغیرہ سندھ کے بہت سے اہلحدیث قومہ کی حالت میں ہاتھ باندھا کرتے ہیں۔ پروفیسر عبداللہ بہاولپوری غیر مقلدان کے متعلق لکھتے ہیں:

''ہاتھ باندھنے والے تو صرف علماء کی تقلید میں ہاتھ باندھتے ہیں اور کسی بھی دلیل کی طرف متوجہ نہیں ہوتے'' (رسائل بہاولپوری صفحہ ۸۲۹)

پروفیسر صاحب نے یہ بھی لکھا ہے:

''آج کے دور میں جو کہ تقلید شخصی اور فتنوں کا دور ہے دن بدن ہاتھ باندھنے والوں کی تعداد بڑھتی نظر آتی ہے'' (رسائل بہاولپوری صفحہ ۸۲۸)

پروفیسر صاحب کی تصریح کے مطابق قومہ کی حالت میں ہاتھ باندھنے والے مقلد ہیں اور یاد رہے کہ کسی دور میں زبیر علی زئی صاحب بھی ہاتھ باندھا کرتے تھے اور جواز کا فتوی اب بھی دیتے ہیں۔

(علمی مقالات جلد ۱ صفحہ ۴۸۸۔۴۹۶)

عبدالجبار سلفی صاحب غیر مقلد اپنے احباب کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ:

''مذہبی نعرے بازوں کے مقلد ہیں'' (نماز کے بعد دعائے اجتماعی صفحہ ٦٦)

ڈاکٹر لقمان سلفی صاحب غیر مقلد، صلوٰۃ الرسول مؤلفہ حکیم صادق سیالکوٹی میں مذکور مؤطا کی طرف منسوب ایک حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

''یہ حدیث مؤطا میں نہیں بلکہ ابوداؤد میں ہے لیکن صاحب مشکوۃ المصابیح کی تقلید میں مؤلف (صادق سیالکوٹی، ناقل) رحمہ اللہ سے یہ سہو ہوگیا'' (حاشیہ صلوۃ الرسول صفحہ ۱۲۸ بحوالہ کھلے راز صفحہ ۱۹)

حکیم صاحب کے متعلق اس طرح کے مزید حوالہ جات کے لیے ''حنفیوں کے ۳۵۰ سوالات'' (۵۷۱ تا ۵۷۳) ملاحظہ فرمائیں۔ ہم اپنے اس رسالے کے حاشیہ نمبر ۷ میں غیر مقلدین کی کتابوں :قدقامت الصلوۃ صفحہ ۱۰۔مقالات شاغف صفحہ ۲۶۶ کے حوالہ سے یہ نقل کر چکے ہیں کہ اہلحدیث حضرات ناصر الدین البانی کی تقلید کیا کرتے ہیں۔

خود زبیر علی زئی صاحب، نجم اللہ سلفی کا تقلید کرنا مانتے ہیں چنانچہ آپ لکھتے ہیں ''جناب نجم اللہ صاحب کا امام ذھبی وعلامہ البانی کی تقلید میں صحیحین پر طعن کرنا'' (توضیح الاحکام جلد ۲ صفحہ ۱۵۲)

زبیر علی زئی صاحب اپنے زعم میں مخالفین کو ''پھکی'' دیا کرتے ہیں۔ (علمی مقالات جلد ۴ صفحہ ۱۹۸)

اس لیے مذکورہ حوالہ جات کو بھی ''پھکی'' سمجھ لیں اور اگر مکمل علاج مطلوب ہے تو پھر ہماری کتاب ''تقلیدی اہلحدیث'' کا انتظار فرمائیں، البتہ یہاں ایک بات یہ ملاحظہ فرمائیں کہ سرخیل اہلحدیث محمد حسین بٹالوی صاحب کی تصریح کے مطابق تقلید کرنا ہی حقیقی مذہب اہلحدیث ہے، بٹالوی صاحب لکھتے ہیں:

''حنفی یا شافعی کہلانا اور مسائل اجتہادیہ میں غیر مجتہد کو اپنے رائے واجتہاد کو ترک کر کے کسی کی سلف صالحین سے تقلید کرنا جائز ہے اور یہ خالص اہلحدیث ہونے کے منافی اور مخالف نہیں ہے بلکہ یہ بعینہ مذہب اہلحدیث ہے'' (اشاعۃ السنۃ جلد ۲۳ صفحہ ۱۴۴)

اہلحدیث کے تقلید کرنے کی مذکورہ مدلل اور باحوالہ بحث تحریر کرنے کے بعد زبیر علی زئی صاحب چند باتیں پوچھتے ہیں:

۱......آپ تقلید کو بدعت۔(دین میں تقلید کا مسئلہ صفحہ۳۲)اور کارِ شیطان کہتے ہیں۔

(علمی مقالات جلد۳ صفحہ ۵۶)

تو کیا ان تقلید کرنے والے اہلحدیثوں کو بدعتی اور شیطانی کام کرنے والا کہیں گے؟ اور جو بدعت وشیطانی کام کو جائز بلکہ واجب قرار دے اس کے لیے کیا حکم ہے؟

۲......آپ لکھتے ہیں کہ ''اہلحدیث تقلید نہیں کرتے''(علمی مقالات جلد ۱ صفحہ ۱۷۷) مذکورہ بالا حوالہ جات کی روشنی میں کیا آپ کا یہ دعویٰ درست ہے؟

۳......آپ دوسروں کو ''تقلیدی'' کہتے ہیں لیکن اپنے ان تقلید کرنے والے اہلحدیثوں کے ناموں کے آخر میں ''تقلیدی'' کا لاحقہ کیوں نہیں لگاتے؟

۷۹

تحدیث بالنعمۃ کے طور پر عرض ہے کہ الحمدللہ بندہ عالیہ کا امتحان امتیازی نمبروں (۶۰۰/۵۳۳) سے پاس کر کے ممتاز سند حاصل کر چکا ہے، اللہ سے دعا ہے کہ وہ علم پر عمل کی توفیق نصیب فرما کر علم وعمل دونوں کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے آمین۔

۸۰

بندہ نے دوسری شق کا اوپر اعتراف کر لیا ہے اس لیے پہلی معلق شق بالفاظ دیگر ''اگر، مگر'' کی ضرورت نہیں ہے، علی زئی صاحب کے استاذ بدیع الدین راشدی صاحب نے بھی مناظرہ میں حضرت مولانا محمد امین اوکاڑوی رحمہ اللہ سے اس طرح کا سوال کیا تھا، حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ نے جواب دیا تھا:

''مولانا مجھ سے پوچھتے ہیں کہ میں عالم ہوں کہ نہیں؟ میں کہتا ہوں کہ۔

آسمان نسبت بعرش آمد برو

نیک بخت عالی پیش بخاک تو

یہ آسمان عرش سے تو بہت نیچا ہے لیکن اس خاک سے تو بہت اونچا ہے۔

میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے سامنے اپنی جہالت کا اعتراف کر چکا ہوں، لیکن آپ حضرات کے سامنے جاہل نہیں ہوں۔ الحمدللہ آپ حضرات کے سامنے میری وہی پوزیشن ہے جو آسمان کی ہے۔ عرش کے سامنے تو یہ نیچا ہے لیکن یہ اپنے آپ کو زمین سے کبھی نیچا نہیں مانے گا۔''(فتوحات صفدر جلد ۱ صفحہ ۲۰۹)



علم ایک ایسا سمندر ہے کہ انسان ساری زندگی اسے سیکھتا رہے تب بھی ساحل تک پہنچنے کا دعوٰی نہیں کرسکتا مگر آپ نے جو تقسیم کی ہے اس کے مطابق مجھے درسگاہ میں پڑھنے کا مشورہ دینا، درست نہیں کیونکہ آپ نے اس کو پہلی شق ماننے کے ساتھ مختص کیا ہے جبکہ بندہ دوسری شق کو تسلیم کیے ہوئے ہے۔

آپ سے عرض ہے کہ اگر آپ درسگاہ میں پڑھنے کی دعوت دینے کا شوق رکھتے ہیں تو درج ذیل آل غیر مقلدیت کو دعوت دے کر اپنا شوق پورا کر لیں۔

۱......سب سے پہلے اپنے آپ کو درسگاہ میں داخل ہونے کا مشورہ دیں تا کہ آپ جان سکیں کہ ''المنسوب الی الامام ابوحنیفہ'' (علمی مقالات جلد ۱ صفحہ ۹۰) غلط ہے اور ''المنسوب الی الامام ابی حنیفہ'' صحیح ہے۔

۲......درسگاہ میں پڑھنے کا مشورہ اپنی کتاب نور العین کے مقدمہ نگار ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی کو دیں تا کہ پڑھ کر معلوم کر سکیں کہ ''باب استفعال کے اندر حصول کا معنٰی پہلے ہی موجود ہوتا ہے، لہٰذا ''استفادہ حاصل کرسکتا ہے'' کہنے میں استفادہ کے بعد ''حاصل'' لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ صفحہ ۱۷۲)

۳......آپ کے مناظر طالب الرحمٰن صاحب نے حنیف قریشی کے ساتھ مناظرہ کرتے ہوئے ''احمدٌ'' تنوین کے ساتھ پڑھا، مقابل نے جب گرفت کی تو یہ کہہ دیا گیا کہ: کتاب میں یوں ہی لکھا ہے۔ یہ تو وہ مثال دہرادی کہ کسی سیاست دان نے سورۃ غلط پڑھی، اعتراض ہوا تو کہا مجھے یہ سورت یوں ہی لکھ کر دی گئی جیسے میں نے پڑھی ہے۔ آپ درسگاہ میں پڑھنے کی دعوت کا شوق پورا کرنے کے لیے طالب الرحمٰن کو مشورہ دیں تا کہ اسے علم ہو سکے کہ احمد غیر منصرف ہے اور غیر منصرف پر تنوین نہیں آیا کرتی۔

کچھ لوگ وفات پا گئے ہیں، اگر زندہ ہوتے تو وہ علی زئی مشورہ کے مطابق درسگاہ میں پڑھنے کے مستحق شمار ہوتے، مثلاً حبیب الرحمٰن یزدانی غیر مقلد تا کہ انہیں پڑھ کر معلوم ہوتا کہ اضحیٰ کی جمع اضحیہ نہیں ہے۔ (خطبات شہید اسلام صفحہ ۱۳۷)

ظفر المبین کے مؤلف محی الدین لاہوری غیر مقلد کو ماضی، مضارع کے معنیٰ کی پہچان نہ تھی۔ (اشاعۃ السنۃ جلد ۱۴ صفحہ ۲۵۴)

اگر وہ زندہ ہوتے تو کیا علی زئی صاحب اپنے اصول کے مطابق انہیں بھی مشورہ دیتے کہ ''مضامین (بلکہ کتابیں) لکھنے کی بجائے کسی درسگاہ میں پڑھنے بیٹھ جائیں۔'' (الحدیث شمارہ ۹۰)

پروفیسر عبداللہ بہاولپوری غیر مقلد، بدیع الدین راشدی صاحب کے متعلق لکھتے ہیں:

''وہ حقائق شرعیہ سے نابلد ہیں گویا کہ وہ تفقہ سے خالی دامن ہیں'' (رسائل بہاولپوری صفحہ ۸۲۴)

بہاولپوری صاحب اور راشدی صاحب دونوں وفات پا چکے ہیں، اگر وہ زندہ ہوتے علی زئی صاحب بہاولپوری صاحب کو اپنی بات سے رجوع کا یا اپنے اصول کے مطابق اپنے استاد راشدی صاحب کو درسگاہ میں پڑھنے کا مشورہ دیتے؟

آخر میں عرض ہے کہ مذکورہ بحث ''آل غیر مقلدیت کو درسگاہ میں پڑھنے'' کی ترغیب علی زئی صاحب کے اصول کے مطابق تحریر کی ہے،ہم نے اپنی طرف سے یہ مشورہ نہیں دیا۔

۸۲

آپ نے لکھا: عامی کا عالم سے مسئلہ پوچھنا تقلید نہیں یہ تو ایسے ہی ہے جیسے دن کا نام رات رکھ دیا جائے۔'' (دین میں تقلید کا مسئلہ صفحہ ۲۴)

بندہ نے آپ کی اس بات کی تردید کے لیے آل غیر مقلدیت کے حوالہ جات کے ساتھ ساتھ علامہ ابن عبدالبر اور خطیب بغدادی کے حوالے پیش کیے، جن کا حاصل یہ تھا کہ مسئلہ پوچھنا بھی تقلید ہے۔ (مجلّہ صفدر شمارہ نمبر ۷ صفحہ ۴۵ تا ۴۹) یہ سارے حوالہ جات بندہ نے اپنی زیر نظر کتاب حاشیہ نمبر ۲۷ میں بھی نقل کر دیئے ہیں۔

اس کے جواب میں آپ کا یہ لکھنا: ''حافظ ابن عبدالبر اور حافظ خطیب بغدادی وغیرہما کے نزدیک تقلید صرف جاہل کے لیے ہے۔'' ہماری بات کی تصدیق ہے کیونکہ ہم بھی ان کی عبارات سے یہ ثابت کر رہے تھے کہ ان دونوں محدثین کے نزدیک عامی کا مسئلہ پوچھنا تقلید ہی ہے۔

۸۳

بندہ نے حافظ ابن عبدالبر اور خطیب بغدادی کے حوالے جس مقصد کے لیے نقل کیے تھے آپ اس کا رد نہیں کر سکے، باقی رہا آپ کا یہ اعتراض کہ ان کے نزدیک تقلید جاہل کے لیے ہے عالم کے لیے نہیں'' اس کا جواب درج ذیل ہے:

۱......آپ تو جاہل کے لیے بھی تقلید کا جواز نہیں مانتے بلکہ آپ اسے بدعت قرار دیتے ہیں۔

(دین میں تقلید کا مسئلہ صفحہ ۳۲۔ علمی مقالات جلد ۱ صفحہ ۳۴)

۲......آپ نے یہاں تسلیم کر لیا ہے کہ حافظ ابن عبدالبر اور خطیب بغدادی دونوں عامی کے لیے تقلید کو جائز سمجھتے ہیں مگر دوسرے مقام پر آپ ان کو مخالفین تقلید میں شمار کرتے ہیں۔

(علمی مقالات جلد ۳ صفحہ ۴۰) وغیرہ۔

۳......آپ کہہ رہے ہیں کہ ان دونوں کے نزدیک عالم کے لیے تقلید جائز نہیں، جبکہ آپ کے اہلحدیث میں سے نہ صرف عام علماء بلکہ شیخ الکل فی الکل، شیخ الاسلام اور سرخیل اہلحدیث کہلائے جانے والے علماء بھی تقلید کرتے رہے ہیں، جیسا کہ حاشیہ نمبر ۱۲۔۴۵، ۸۷ میں مذکور ہوا۔

۴......حافظ ابن عبدالبر اور خطیب بغدادی دونوں عالم تھے مگر باعتراف مخالف تقلید کیا کرتے تھے۔

عبدالرشید عراقی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''حافظ ابن عبدالبر فقہی مسلک میں امام مالک بن انس سے وابستہ تھے اور ان کا شمار فقہ مالکیہ کے اکابر فقہا میں ہوتا ہے لیکن وہ جامد مقلد نہ تھے'' (کاروان حدیث صفحہ ۱۹۹)

''حافظ ابن عبدالبر کو ممتاز محدث اور مالکیہ میں سب سے بلند پایہ محدث اور شارح حدیث قرار دیا گیا ہے'' (کاروان حدیث صفحہ ۲۰۰)

عراقی صاحب ان کی کتاب ''التمہید'' کے متعلق لکھتے ہیں:

''مذہب مالکی کی متعلق تنہا یہی کتاب کافی ہے'' (کاروان حدیث صفحہ ۲۰۱)

ثناء اللہ مدنی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''حافظ ابن عبدالبر کے دعوی اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کی کوئی حیثیت نہیں، یہ محض مالکی مسلک کی حمایت میں ان کی ایک کوشش ہے اس کے سوا عملاً اس کا وجود نہیں۔'' (مقالات اثری جلد ۲ صفحہ ۳۱۸)

ابن عبدالبر رحمہ اللہ خود ہی اعتراف کرتے ہیں ''لانا قلد نافیھا عمر، ہم نے اس مسئلہ میں عمر (رضی اللہ عنہ) کی تقلید کی ہے۔(الکافی فی فقه اهل المدنیة کتاب النکاح :باب العقود)

عبدالرشید عراقی غیر مقلد، خطیب بغدادی کے حالات میں ''فقہی مسلک'' عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

''خطیب شافعی المذہب تھے اور ان کا شمار اکابر شافعیہ میں ہوتا تھا'' (کاروان حدیث صفحہ ۲۱۰)

''امام ابوبکر خطیبؒ کو اپنی فقہی عصبیت کی وجہ سے ابتلاء ومحن سے دوچار ہونا پڑا۔ وہ شافعی المذہب تھے......'' (کاروان حدیث صفحہ ۲۱۰)

علامہ ذھبی رحمہ اللہ، خطیب کے متعلق لکھتے ہیں:

''وکان من کبار الشافعیة ،وہ کبار شافعیہ میں سے تھے'' (تذکرہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۴ بحوالہ طائفہ منصورہ صفحہ ۱۲۷)

حافظ ابن عبدالبر اور خطیب بغدادی دونوں کا عالم ہونے کے باوجود تقلید کرنا اس تاویل کی طرف

رہنمائی کرتا ہے کہ ان کی عبارت میں عامی سے مراد وہ شخص ہے جو مجتہد (مطلق) نہ ہو اور مجتہد نہ ہونا جاہل محض کو بھی شامل ہے اور عالم کو بھی، ایسے تو نہیں ہوسکتا کہ وہ یہ لکھیں کہ عالم کے لیے تقلید جائز نہیں اور پھر خود عالم ہو کر بھی تقلید کرنے لگیں۔

ازالہ شبہ:

ممکن ہے کہ علی زئی صاحب یا کوئی غیر مقلد یہ کہنا شروع کر دے کہ حافظ ابن عبد البر اور خطیب بغدادی نے چونکہ فلاں اور فلاں مسئلہ میں اپنے اپنے امام کے خلاف کیا اس لیے وہ مقلد نہ تھے۔

عرض ہے کہ متعدد آل غیر مقلدیت نے تصریح کی ہے کہ کوئی مقلد ایک یا چند مسائل میں اپنے امام سے عدول کرے تو وہ دائرہ تقلید سے خارج نہیں ہوتا۔ (الاصلاح صفحہ ۱۱۱ وغیرہ)

نواب صدیق حسن خان غیر مقلد نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے:

''کسی امام کا کوئی مقلد بھی ایسا نہیں ہے جو کسی مسئلہ میں بھی امام کے مذہب و اقوال کی مخالفت نہ کرتا ہو'' (ابقآء المنن صفحہ ۶۸)

۸۴ لیجئے جواب، وکیل اہلحدیث محمد حسین بٹالوی صاحب لکھتے ہیں:

''تقلید مجتہدین سے کوئی اس وقت دست کشی نہیں کر سکتا عامی بواسطہ علمائے وقت، مجتہدین کی تقلید کر رہے ہیں علمائے وقت کی طرف ان کا رجوع کرنا بعینہ ان مجتہدین کی طرف رجوع کرنا ہے جن کے پیرو مقلد وہ علماء ہیں'' (اشاعۃ السنۃ جلد ۱۱ صفحہ ۳۲۰) (جاری ہے۔۔۔)

(فرمانِ امام اہل سنتؒ) **مسلمان حکمرانوں کی بے غیرتی**

دیکھو! طالبان جب روس کے خلاف لڑ رہے تھے تو مجاہد تھے، حریت پسند تھے، جب امریکہ کا مقصد پورا ہوگیا تو اب وہ دہشت گرد ہیں، ان پر مقدمات چلتے ہیں اور وہ جیلوں میں بند ہیں۔ ابھی سینکڑوں کی تعداد میں بحرین، کویت اور سعودیہ کی جیلوں میں پڑے ہیں۔ یہ امریکی خبیث قوم ہے۔ اور یہ سب کچھ دیکھ کر بھی ہماری آنکھیں نہیں کھلتیں۔ او بے حیا حکمرانو! تم سے زیادہ بے حیا اور بے غیرت کون ہے کہ ابھی تک ان کے دم چھلا بنے ہوئے ہو؟ جو وہ کہتا ہے کرتے ہو۔ اس وقت بھی یہاں ہماری حکومت نہیں ہے، امریکہ کی ہے۔ ہمارا صرف نام ہے۔ ہم اس کے اشارے کے بغیر شلوار قمیص، کوٹ نہیں بدل سکتے۔ میں عوام کی بات نہیں کر رہا، حکمران طبقے کی بات کر رہا ہوں۔ (الجنان، ج:۱۳، ص:۱۵۰)

انجم نیازی

قاضی مظہر رحمہ اللہ نے

مجھے نارِ جہنم سے بچایا قاضی مظہرؒ نے
مجھے رستہ صحابہؓ کا دِکھایا قاضی مظہرؒ نے

صحابہؓ کا مجھے نوکر بنایا قاضی مظہرؒ نے
مجھے دہلیز پر اُن کی بٹھایا قاضی مظہرؒ نے

مجھے آتا تھا کب جینا صحابہؓ کی محبت میں
مجھے اُن کے لیے جینا سکھایا قاضی مظہرؒ نے

کہاں آتی ہدایت کے ستاروں کی ضیا مجھ تک
یہ منظر نُور کا مجھ کو دکھایا قاضی مظہرؒ نے

قیامت تک نہ اُٹھ سکتا، گرا تھا ایسی پستی میں
مجھے قعرِ مذلت سے بچایا قاضی مظہرؒ نے

کہاں میں اور کہاں سارے صحابہؓ کی ثنا خوانی
مجھے اعزاز یہ اعلیٰ دلایا قاضی مظہرؒ نے

مجھے کتنی ہی شفقت سے لبالب بھر کے پیمانہ
صحابہؓ کی محبت کا پلایا قاضی مظہرؒ نے

مدینے کے گلی کوچے کہاں مجھ سے گلے ملتے
مجھے اُس شہر سے آکر ملایا قاضی مظہرؒ نے

مَیں محرومِ تمنا لذّتِ گریہ سے ناواقف
مری آنکھوں کو برسوں تک رُلایا قاضی مظہرؒ نے

یہ گر جاتا ہے سجدہ میں مَیں جب اس کو اٹھاتا ہوں
خدا کے سامنے ایسا جھکایا قاضی مظہرؒ نے

بدن میں دوڑتی پھرتی ہیں اب تک اس کی خوشبوئیں
سبق وہ دین کا مجھ کو پڑھایا قاضی مظہرؒ نے

اندھیرے میں بھٹکتا پھرتا رہ جاتا قیامت تک
صراطِ نُور پر مجھ کو چلایا قاضی مظہرؒ نے

جگایا خوابِ غفلت سے، کِیا احسان یہ مجھ پر
مجھے میرے گناہوں پر رُلایا قاضی مظہرؒ نے

مَیں گمنامی کی انجمؔ خاک منہ پر مَل کے بیٹھا تھا
تعارف میرا دنیا میں کرایا قاضی مظہرؒ نے

از: ہفت اولیاء (منظوم) نتیجہ فکر: انجم نیازی......صفحات: ۲۸۸، قیمت: ۲۸۰، رعائتی: ۱۴۰، رابطہ: 0302-6505022